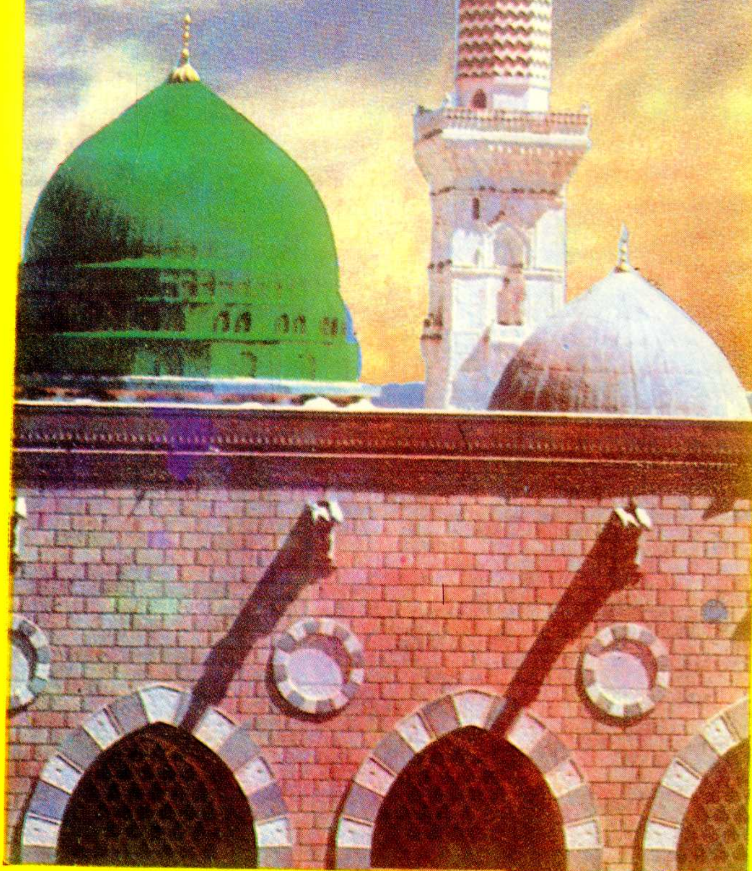
گستاخِ رسول
کی
شرعی حیثیت

مفتی محمد گل رحمٰن قادری



مکتبہ قادریہ

جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری منڈی لاہور

گستاخِ رسول

کی

شرعی حیثیت

مفتی محمّد گل رحمٰن قادری

مکتبہ قادریہ

جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری منڈی لاہور

نام کتاب ـــــ گستاخ رسول کی شرعی حیثیت

تصنیف ـــــ مولانا مفتی محمد گل رحمٰن قادری

صفحات ـــــ ۲۰۸

کتابت ـــــ مولانا شاہ محمد قصوری

تصحیح ـــــ مولانا حافظ محمد شاہد اقبال

طباعت ـــــ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء

مطبع ـــــ گنج بخش پرنٹرز، ٹیپ روڈ، لاہور

قیمت ـــــ

ملنے کا پتا

◆ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری منڈی لاہور

◆ ۲۳۸ چارلس روڈ، سمال ہیتھ برمنگھم بی ۱۰ ۹ اے اے

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ: مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی مدظلہ العالی

ایمان و ارتداد کی حقیقت

کسی چیز کے بارے میں ایسا پختہ یقین کہ اس کے خلاف کا ادنےٰ احتمال بھی باقی نہ رہے اور وہ چیز مرتبۂ علم میں روزِ روشن کی طرح بدیہہ اور واضح ہو جائے اور پھر اس چیز کے بارے میں اس یقینی حقیقت کو تسلیم کر لینا ایمان ہے۔

شرعی اصطلاح میں ایمان کا معنےٰ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے مبعوث کردہ شخصیت (نبی) کی رہنمائی میں اللہ تعالےٰ کی ذات، صفات، وحدانیت اور اس کے احکام کو مذکورہ بالا پختہ یقین کے بعد تسلیم کرنا اور عقیدہ بنانا۔

ایمان کے اصطلاحی معنےٰ سے واضح ہوا کہ ایمان کی بنیاد نبی کی ذات ہے جس کے ذریعہ باقی امور کو تسلیم کرنا لازم آتا ہے اس لئے پہلے نبی کے خصوصی منصب کے بارے یقین کا حصول درکار ہے جس کو تسلیم کرنے پر نبی پر ایمان کا تحقق ہو سکے گا۔

نبی کے بارے یقین کے عوامل چار ہیں:

۱۔ نبی کا ذاتی کردار ۲۔ اس کی دعوت ۳۔ دعوت کے عمل میں خلوص اور ۴۔ معجزات۔

نبی کا ذاتی کردار یہ ہے کہ بعثت کی مدت (۴۰ سال کی عمر) تک وہ اپنے قول و فعل اور عمل و کردار کو انسان کے عادی عیوب و نقائص سے پاک رکھتا ہے۔ نبی کا یہ حسّی عمل ہر دیکھنے سننے والے کو روزِ روشن کی طرح بدیہی طور پر نبی کی پاکیزگی کا یقین دلاتا ہے حتّٰی کہ دشمن بھی نبی کے کردار پر طعن کرنے سے قاصر رہتا ہے۔

نبی کی دعوت، نبی جن امور کی دعوت دیتا ہے وہ انسانی فطرت کے عین مطابق

ہوتے ہیں اس لئے ہر انسان خواہ وہ کسی بھی برِّ اعظم سے تعلق رکھتا ہو اِن امور کو فطری پا کر
ان کی حقانیت کو بالکل واضح اور بدیہی طور پر معلوم کرتا ہے لہٰذا ہر انسان فطری طور پر
اِن امور کی حقانیت پر یقین کر لیتا ہے۔

نبی کی دعوت میں خلوص ، انسان کی بھلائی کی خاطر حق کی اطلاع دینے کیلئے
اپنے ذاتی اور دنیاوی مفادات و اغراض سے بالاتر ہو کر نبی اپنے دعوتی عمل میں در پیش
مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے جس سے دیکھنے اور سننے والے ہر انسان کو
نبی کے خلوص کا فطری یقین ہو جاتا ہے۔

معجزات ، مزید تصدیق کی خاطر نبی سے معجزات کا صدور بھی ہوتا ہے جنہیں
دیکھ کر اس شخصیت کے نبی اور مبعوث من اللہ ہونے میں ذرا سا بھی شک و شبہہ باقی نہیں رہتا
اور اس کا نبی ہونا ہر مخاطب پر واضح اور عیاں ہو جاتا ہے جس سے مخاطب کو فطری اور غیر اختیاری
طور پر یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ مدعیٔ نبوت برحق ہے۔

اگر چہ نبی کا کردار ، فطری امور کی طرف دعوت ، دعوت میں خلوص ، نبوت اور
مبعوث من اللہ کے دعوٰے کے لئے تصدیق کے طور پر معجزات ۔ ان چاروں میں سے ہر عنصر نبی کے بارے
اسکی خصوصی حیثیت کا یقین دلانے کے لئے کافی ہے مگر ان چاروں عناصر کے جمع ہو جانے پر نبی کے بارے ایسا کامل
ایسا کامل یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ اس کے خلاف کا ذرّہ برابر بھی احتمال نہیں رہتا جس سے بدیہی
اور روزِ روشن کی طرح واضح طور پر نبی کے خصوصی منصب کا فطری طور پر یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

جب نبی کے خصوصی منصب کے متعلق یہ فطری یقین حاصل ہو جائے تو اس کی
بیان کردہ ہر چیز کے بارے یقین ایک فطری نتیجہ ہے۔

نبی اور اس کے بیان کردہ امور کے بارے یقین سے ایمان کی پہلی شرط
متحقق ہو گئی اور اگر اس یقینی حقیقت کو اپنے اختیار اور ارادہ سے تسلیم کر لیا جائے اور اس کو
اپنا عقیدہ بنا لیا جائے تو ایمان کی دوسری شرط بھی حاصل ہو جائے گی اور ایمان متحقق ہو جائے گا

ورنہ محض فطری یقین کے باوجود ایمان متحقق نہ ہو گا۔

ایمان کی اجمالی تعبیر یہ ہے کہ نبی اور اس کے تمام پیش کردہ امور کی حقانیت پر
یقین رکھتے ہوئے ان کو تسلیم کرنا۔

ایمان کی تعریف سے واضح ہو گیا کہ یقین کے حصول کے لئے جن بدیہی اور
واضح امور کو مبادی قرار دیا گیا ہے ان سب کا تعلق نبی کی ذات سے ہے جن سے نبی
کے خصوصی منصب کا یقین ہوتا ہے اور نبی کے بارے یقین سے باقی ایمانیات کا یقین
حاصل ہوتا ہے اور بدیہی امور پر مبنی اِس یقین کو تسلیم کرنے اور عقیدہ بنانے کا نام ایمان
ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے باب میں مرکزی اور خصوصی مقام صرف نبی کو
حاصل ہے۔ نبی کے اِس خصوصی مقام کو دستوری حیثیت حاصل ہے۔ اگر نبی کے بارے
یقین ختم ہو جائے یا یقین کے باوجود اپنے اختیار سے تسلیم نہ کیا جائے تو ایمان حاصل نہ ہو گا
کیونکہ ایمان کا مرکزی نقطہ نبی کی ذات ہے جس کے بغیر ایمان لا حاصل ہے لہٰذا ایمان
کے بعد نبی کے خصوصی اور دستوری منصب کا تحفظ ضروری ہے تا کہ ایمان کا دستور محفوظ رہے
نبی کے دستوری منصب و مقام کے خلاف کوئی بات ایمان سے بغاوت اور ارتداد ہے
اور باغی کی سزا موت ہے اِسی لئے نبی کی توہین کو نبوت اور ایمان سے بغاوت قرار دے کر
اس کی سزا موت قرار دی گئی ہے جس طرح بین الاقوامی طور پر صدارتی دستور میں
صدر کو پارلیمانی دستور میں پارلیمنٹ کو اور شاہی دستور میں شہنشاہ کو دستوری طور پر خصوصی
مقام حاصل ہوتا ہے ، ان کی یا ان کے دستور کی توہین ان کے منصب کی توہین قرار دے کر
دستور کا باغی قرار دیا جاتا ہے اور باغی کی بین الاقوامی سزا صرف اور صرف موت ہے۔

اسلام بھی ایک عالمی دستور ہے جس میں دستور دینے والے نبی کو دستوری
تحفظ حاصل ہے جس کی توہین کو بغاوت قرار دیا گیا ہے اور باغی کی سزا تمام بین الاقوامی
دساتیر میں موت ہی ہے۔

عزیزم محترم مولانا مفتی محمد گل رحمٰن صاحب نے زیرِ نظر مقالہ میں مذکورہ بالا حقائق کو قرآن و حدیث اور اقوالِ ائمہ کرام کی روشنی میں مدلّل بیان فرمایا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اسلام میں نبی کی خصوصی حیثیت کے پیشِ نظر اس کے گستاخ کی سزا قتل ہے جو ناقابلِ معافی ہے کیونکہ یہ سزا شرعی حد ہے جس کو ساقط کرنے یا معاف کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے اس لئے کہ اس سزا کا تعین خود شارع نے فرمایا ہے۔

امید ہے کہ یہ مدلّل مقالہ اہلِ علم حضرات کے لئے بصیرت افروز ثابت ہوگا جس میں ایمان و ارتداد کے متعلق مواد کو جمع کر دیا گیا ہے۔

مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی
جامعہ نظامیہ رضویہ
لاہور

تأثر: علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی، لاہور

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّيۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِيۡنَ

انسانی جذبات کا یہ فطری تقاضا ہے کہ جس ہستی یا چیز سے والہانہ محبت ہو اس کی توہین و تنقیص ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جسے کوئی ذی ہوش رد نہیں کر سکتا، کسی بھی ملک کا باشندہ جب اس ملک کے مفادات کے خلاف کاروائی میں ملوث یا ثابت ہو جائے کہ وہ کسی دوسرے ملک کا جاسوس ہے تو اسے ملک کا غدار قرار دیکر سزائے موت کا مستحق قرار دیا جاتا ہے۔

ایک انسان کلمہ طیبہ پڑھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتا ہے، اسے مسلمانوں والے تمام حقوق حاصل ہو جاتے ہیں اب اگر وہ دینِ اسلام سے برگشتہ اور مرتد ہو جائے تو وہ اسلام کا غدار ہونے کے سبب قتل کا مستحق ہے۔ نبی کریم، حبیبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ دل و جان سے آپ کی نبوت و رسالت کو مانا جائے اور تمام مخلوق سے زیادہ آپ سے محبت کی جائے اور آپکی شانِ اقدس میں گستاخی اور توہین کے مرتکب کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جائے۔ بطلِ حریت علامہ محمد فضلِ حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ الشفاء، قاضی عیاض سے نقل کرتے ہیں:-

"حضرت محمد بن سحنون نے فرمایا علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالی دینے والا اور آپ کی تنقیصِ شان کرنیوالا کافر ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید اس پر جاری ہے اور امت یعنی تمام ائمہ کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے اور جو شخص اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے" (ترجمہ)[1]

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی اور توہین کرنیوالوں کے خلاف سخت علمی اور قلمی جہاد کیا اور فتنۂ تنقیصِ رسالت کے سیلاب کے آگے بند باندھ دیا، وہ فرماتے ہیں:-

"سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنیوالے کی توبہ ہزارہا ائمہ دین کے نزدیک اصلاً قبول نہیں (اسکے بعد نو ائمہ حنفیہ کے نام گنوائے) ..... عدمِ قبول توبہ صرف حاکمِ اسلام کے یہاں ہے کہ وہ اس معاملہ میں بعد توبہ بھی سزائے موت دے، ورنہ اگر توبہ صدقِ دل سے ہے تو عند اللہ مقبول ہے"۔[2]

---

[1] محمد فضلِ حق خیر آبادی، علامہ : تحقیق الفتوٰے مکتبہ قادریہ لاہور ص : ۸-۲۳۷
[2] احمد رضا بریلوی، امام : تمہیدِ ایمان طبع کراچی ص : ۳۸

غزالی زماں علامہ سید احمد سعید رحمہ اللہ تعالیٰ نے چیف جسٹس وفاقی شرعی عدالت، پاکستان کو ۲۵ نومبر ۱۹۸۵ء بسلسلہ شریعت پٹیشن در توہین رسالت' ایک تحریری بیان پیش کیا جس میں انہوں نے تحریر فرمایا :-

"کتاب و سنت، اجماع امت اور تصریحاتِ ائمہ دین کے مطابق توہین رسول کی سزا صرف قتل ہے"۔ لہ

اس دعویٰ کو انہوں نے تفصیلی دلائل سے ثابت کیا، تفصیل کے لئے اس رسالے کا مطالعہ کیا جائے۔

شیطان رشدی نے اپنی کتاب میں نبی الانبیاء، امام المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم اور آپ کے صحابہ اور اہل بیت کی شان میں گستاخی اور دریدہ دہنی کا مظاہرہ کر کے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں کو مجروح کیا ہے اور نہایت دکھ کا مقام ہے کہ دنیائے عیسائیت نہ صرف اسے تحفظ فراہم کر رہی ہے بلکہ اس کی پیٹھ تھپک رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچ بھی گیا تو خدائے قہار وجبار کی گرفت سے اُسے کون بچا سکے گا اور یہ عذاب بھی کیا کم ہے کہ حکومتِ برطانیہ کو اس کی حفاظت پر لاکھوں پونڈ سالانہ خرچ کرنا پڑ رہے ہیں اور وہ قیدِ تنہائی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔

پیش نظر کتاب "گستاخ رسول کی شرعی سزا" اہل سنت کے مایۂ ناز عالم مولانا علامہ مفتی محمد گل رحمٰن قادری ہزاروی کی عالمانہ کاوش کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے اپنے موضوع کے ہر پہلو پر محض جذباتی انداز میں نہیں بلکہ دلائل وبراہین کی روشنی میں گفتگو کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرف قبولیت عطا فرمائے، مسلمانوں کے لئے ذریعۂ بصیرت اور غیر مسلموں کیلئے ذریعۂ ہدایت بنائے۔

یاد رہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء کرام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی عزت و ناموس کے محافظ ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی نبی کی شان میں گستاخی کرنیوالا کافر و مرتد ہے اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ جب ہم کسی نبی کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کو برداشت نہیں کرتے تو غیر مسلموں کو بھی چاہئے کہ ہمارے آقا و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کر کے دنیا بھر کے کروڑوں مسلمانوں کی دل آزاری کا باعث نہ بنیں۔

محمد عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی
جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان

۹ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
۸ ستمبر ۱۹۹۲ء

لہ احمد سعید کاظمی، علامہ سید : گستاخ رسول کی سزا قتل (مجلس رضا، لاہور) ص ۱۲

مُقَدِّمَہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ابدی ہے جس کی وسعتوں کی ابتداء ہے نہ انتہاء، بے حد و بے عدد ہے، اس کے کمال قدرت کے تحت ہر شے ہے، جو شے بھی امکان کے دائرہ میں ہو گی وہ کمال قدرت کے تحت ہی رہے گی چاہے حقائق واشیاء کائنات جن وانس ہوں یا عالم انوار کی جنس سے ہوں، عالم اجسام کہ اعراض ہوں سب ہی باری تعالیٰ کی تخلیق سے مخلوق و ممکن بنے اور بنتے رہیں گے، جس طرح عالم جن وانس وغیرہ اپنے وجود و ہستی میں آنے میں خالق حقیقی کے محتاج ہیں ایسے ہی وجود میں آنے کے بعد بقاء و قرار میں بھی اس مالک حقیقی کے حاجت مند رہیں گے۔

وجود میں مخلوق کو لانا یہ اللہ تعالیٰ کا بے مثال کرم و احسان ہے ایسے ہی وجود میں لا کر انسانوں کو آسمانی دین کی ہدایات و انوار کو کتاب و وحی کی شکل میں انبیاء کرام علیہم السلام کے توسط سے عطا کرنا بھی بے مثل فضل خاص ہے جس کا جتنا شکر، حمد و ثنا کی جائے اتنا ہی کم ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ انسان شکر و حمد میں ہمیشہ مصروف رہتے اور ایمان و عمل کے اندر احکام و استقامت میں اضافہ کرتے رہتے۔ اگرچہ انسانی طاقت و استطاعت شکر و حمد کے دوام کی متحمل نہیں تو نہ سہی کیونکہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا "اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر" کا ارشادِ الٰہی کرم و فضل کا پروانہ ہے لیکن اس کے باوجود کم از کم لوگ سستی و غفلت کے شکار نہ ہوتے، بے اعتنائی اور بے پرواہی کے مریض تو بنتے یا ناشکری و بے قدری کی نحوستوں سے بچنے کی کوشش تو کرتے

لیکن یہ دیکھا جارہا ہے کہ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولوں علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کے احترام وتعظیم کا حق ادا نہیں کیا جارہا ہے اور نہ اس پر پوری توجہ سے تبلیغ کی جارہی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کئی فرقے اور ان کے بانی وقائد دینی احترام وتعظیم نہیں کرتے اور ایسے لٹریچر اور بیانات معرضِ وجود میں لارہے ہیں جن کو پڑھ کر، سنکر ایک سچے کامل مسلمان کے جذبات مجروح ہوجاتے ہیں اور یہ سمجھنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ جن لٹریچرز اور بیانات میں دینی ادب و احترام کی روح نہ ہو ان کا دینِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، بے ادب لٹریچرز کو پڑھنے والا اور اسے قبول کرنے والا شخص مسلمانوں کی نئی نسل کو اسلام سے دور ہی کرتا جائے گا وہ اسلامی قدروں اور عظمتوں کی روح نئی نسل میں نہیں ڈال سکے گا جس کے نتیجہ میں سلیمان رشدی جیسے بے ادب وگستاخ شیطان صفت نسل ابھرتی رہے گی جس سے اسلام واہلِ اسلام کے لئے ہر دَور میں ابتلاء وآزمائش کے معرکے وجود میں آتے رہیں گے اور مسلمانوں کو ان سے دوچار ہونا پڑے گا۔

یہ ساری بے ادبی کی خرابیاں ناقص تعلیم اور اسلام سے بے خبری سے پیدا ہوتی ہیں، جب بے ادبی کے نتیجے میں خرابیاں اور فتنے پیدا ہوتے ہیں تو اہلِ حق وصداقت علماءِ ربانیین اسلام کے دفاع کا فریضہ ادا کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں، تحریر وتقریر، جان ومال سے اہلِ ادب واحترام اور سراپا عشق ومحبت والے مسلما! بے ادبی کے اِن فتنوں کو دباتے ہوئے قیامت میں سرخروئی حاصل کرپاتے ہیں۔

جب حق وباطل کا معرکہ شروع ہوجاتا ہے تو اسلام دشمن قوتیں سچے اور مخلص مسلمانوں کو نئی اصطلاحات فنڈامنٹلسٹ اور بنیاد پرست کے نام سے یاد کرتے ہیں، اسلام کے جاں نثار وباوفا مسلمانوں کو فنڈامنٹلزم کے نارواخطاب سے نوازا جاتا ہے حالانکہ اسلام امن وسلامتی کا دین ہے اور ابدی پیغام ہدایت ہے، اسلام نفرت کی بجائے محبت کا داعی ہے، بے ادبی واہانت کی جگہ ادب واحترام پر زور دیتا ہے، حق تلفی کی نسبت ادائیگی

حق پر سختی کرتا ہے، تمسخر واستہزاء کے خلاف تعظیم وتوقیر کی تلقین کرتا ہے اور اسلام روشن خیالی کا جوہر دماغوں میں پہنچاتا ہے۔ اسلام وہمی دین نہیں ہے بلکہ ایقان واذعان کا حامل ہے، یہ شکوک کا ازالہ کرتا ہے، اسلام صلاحیت واصلیت کا درس دیتا ہے، حقیقت کا پرچار کرتا ہے، نقلیت کا خاتمہ کرتا ہے، اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے، اس کا اپنا نظامِ عقائد وعبادات ہے، اس کا اپنا دائرۂ اخلاق ہے، اسلام مکمل نظامِ معیشت وحکومت رکھتا ہے، اسلام عقائد وعبادات، معاملات، نظامِ حکومت وسیاست، اخلاق اور زندگی کے تمام شعبوں میں خود کفیل ہے اور جامع ہدایات ہے، اسلام اپنے اصول وفروع میں ہر دَور اور ہر قوم کے لئے کافی وشافی دستورِ حیات ہے۔ اسلام کے عقائد وایمانیات قطعی ویقینی نوعیت کے ہیں۔ اعمال میں کوتاہی کی اصلاح اسکی ادائیگی کی صورت میں ہوسکتی ہے، کفارہ اور فدیہ بھی بعض اعمال کے لئے متبادل صورت ہوتی ہے۔ قصاص وحدود میں اسلام کے اپنے مخصوص قوانین ہیں جن میں رعایت نہیں دی جاسکتی قصاص وحدود کے ذریعہ ادائے حقوق اور فتنوں کا سدِ باب ہوتا ہے اور حیات کی بقا کے لئے ضمانت میسر ہوتی ہے۔

اسلام کے عقائدِ قطعیہ اصل میں ایمانیات ہوتے ہیں اور ایمان کے خلاف کفر ہوتا ہے اور توحید کی ضد شرک ہوتا ہے، تعظیم کی ضد توہین ہوتی ہے، ان کا تعارف اپنی ضد سے واضح ہوجاتا ہے۔ جس طرح اضداد کا اجتماع محال ہے ایسے ہی ان کا انکار بھی ممنوع ہے اور شریعت و عقل کے لحاظ سے انقلابِ حقیقت بھی محال ہے یعنی ایمان کفر میں، توحید شرک میں، تعظیم توہین میں نہیں بدلے جاسکتے ہیں۔ یہ ایسی حقیقتیں ہیں کہ ان میں نہ ابہام ہے نہ خفاء ہے، ان کے حقائق ومفاہیم ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے اور نہ ہی ان کے باہمی تضاد کا انکار ہوسکتا ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک کا مفہوم اپنی ضد میں بدلا جاسکے، ایمان کفر نہیں بن سکتا، توحید شرک نہیں ہوسکتی ہے، تعظیم توہین میں نہیں بدلی جاسکتی ہے۔ اس پر شریعت وعقل شاہد ہیں، جو ایسا سوچے یا کہے اسے دیوانہ یا پرلے درجے کا ضدی، ناقابلِ

معانی شخص سمجھا جائے گا۔ اسلام کو اپنی اصلی حقیقت میں سمجھنے کے لئے توفیقِ خداوندی کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ توفیق وہی پا سکتے ہیں جو اسلام کے حق میں مخلص ہوں اور با ادب بھی ہوں، بے ادبوں کو اسلام کا نور نہیں مل سکتا ہے۔ اسلام کا مطالعہ کرنا اور ہوتا ہے جو اہلِ کفر و عناد بھی کیا کرتے ہیں لیکن وہ اسلام کا نور و فیضان نہیں پاتے ہیں۔ اہلِ ایمان با ادب اسلام کے نور و فیضان کو اپنے دامنوں میں بھر لیتے ہیں، قلبی تقوےٰ، دلی پرہیزگاری اور نورِ بصیرت وہی پاتے ہیں جو شعائرِ اسلام کی تعظیم و احترام کرتے ہیں، ارشادِ الٰہی ہے :۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۔ (پ۱۷، سورہ حج، آیت ۳۰)	اور جو اللہ تعالےٰ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو وہ اس کے لئے اسکے رب کے یہاں بھلا ہے۔

صاف واضح مفہوم ہے کہ جن چیزوں کا شرعی احترام ہے ان کا ادب کرنا ضروری ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی محترم چیزوں کی تعظیم ان کے آداب و شرائط کے ساتھ کی جائے تو اللہ تعالیٰ اِس تعظیم کا اجرِ خیر عطا فرمائے گا۔

اِن حرمت والی چیزوں سے خانۂ کعبہ، قرآنِ مجید، ماہِ رمضان، مسجدِ حرام، مدینہ منورہ کا ادب، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور آپ کی سنتیں داخل ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ہَدی کے جانور کو کعبہ کی نسبت سے اور صفا اور مروہ کے پہاڑ کو حضرت بی بی ہاجرہ (رضی اللہ عنہا) کی نسبت سے شعائر اللہ فرمایا ہے :۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (البقرہ، آیت ۵۸)	بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں سے ہیں۔

اِس سے معلوم ہوا کہ جس چیز کی نسبت صالحین سے ہو جائے وہ چیز عظمت والی ہو جاتی ہے۔ صفا اور مروہ حضرت بی بی ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے قدم کی برکت سے اللہ کی نشانی

بن گئے۔ اس سے ایک مسئلہ یہ بھی واضح ہو گیا کہ عظمت والی چیزوں کی تعظیم دین میں داخل ہے اسی لئے صفا اور مروہ کی سعی حج میں شامل ہوئی۔ اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر شعائر اللہ کی تعظیم و محبت دل میں ہو تو مسلمان کی عبادت قابلِ قبول ہے اور اگر دل میں شعائر اللہ کی تعظیم و محبت نہیں ہے تو یہ ظاہری عبادت قابلِ قبول نہیں ہے۔

دیکھئے شیطان کی عبادتیں اسی لئے برباد ہوئیں کہ اس کے دل میں حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کی تعظیم نہ تھی، شیطان کا علم اور اس کی عبادت بہت زیادہ تھی لیکن ایک توہین نے سب کو ضائع کر کے رکھ دیا، مزید ملاحظہ کریں :۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (سورہ حج آیت ۳۲)	اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

اِس آیت سے معلوم ہوا کہ ظاہری عبادت تو ظاہری جسم کا تقوےٰ ہے اور دل میں شعائر اللہ کی تعظیم کا ہونا دلی تقوٰی ہے۔ جب مندرجہ بالا عظمت والی چیزوں کی تعظیم قلبی تقوےٰ ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام اور آخری رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام و اہلِ بیتِ عظام (رضی اللہ تعالےٰ عنہم) اور ازواجِ مطہرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن اور اولیاءِ کرام کی تعظیم کتنی بڑی دلی پرہیزگاری ہوگی اور ان کی اہانت و بے ادبی دنیا و آخرت میں کتنی بڑی ذلت و رسوائی ہوگی۔

سورہ حج کی آیت ۳۰ اور آیت ۳۲ کے اوّل و آخر پر غور کریں کہ اوّل میں بھی تعظیمِ شعائر اللہ کا ذکر آتا ہے اور آخر میں بھی تعظیمِ شعائر کو دلی تقوٰی قرار دیا گیا ہے گویا اول و آخر تعظیم کرنے کا ذکر ہے اور درمیان میں شرک سے اجتناب کا بیان ہے :۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۔ (آیت ۳۰)	پس دور ہو بتوں کی گندگی سے اور بچو جھوٹی بات سے۔

معلوم ہوا کہ شرک الگ حقیقت ہے جو سراسر جھوٹ ہے اور گندگی ہے اور صالحین
کی تعظیم اور شعائر اللہ کا احترام الگ حقیقت ہے جو تمام کا تمام صداقت ہے۔ عبادت غیر اللہ
کی شرک ہے لیکن شعائر اللہ اور صالحین کی تعظیم ایمان اور دلی تقویٰ ہے، شرک کی مذمت ہے
اور اس سے اجتناب کا حکم ہے اور تعظیم کے ارتکاب کا حکم ہے اور اس پر اجر و ثواب اور دلی تقویٰ
کا اعلان ہے لہٰذا عبادت اور تعظیم دونوں جداگانہ حقیقتیں ہیں، ہم صالحین کی عبادت کو شرک
جانتے ہیں لیکن ان کی تعظیم کو واجب مانتے ہیں کہ شعائر اللہ کی تعظیم سے دل نیک ہو جایا کرتے ہیں
اور تعظیم کرنے والے نیک اور ایماندار لوگ ہوتے ہیں اور توہین کرنے والے نہ نیک نہ ایمان والے
ہوتے ہیں، شعائر کی تشریح میں ہے وَشَعَائِرُہُ الَّتِیْ جَعَلَھَا اَمَارَاتٍ بَیْنَ الْحَقِّ
وَالْبَاطِلِ (قرطبی) شعائر شعیرہ کی جمع ہے یعنی وہ علامت جس سے کسی چیز کی پہچان ہو سکے۔

یہاں اس آیت میں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالےٰ
نے حق و باطل کے درمیان امتیازی نشانیاں قرار دیا ہے۔ یہ شعائر اُن مکانات، اوقات اور
علامات کا نام ہے جو عبادت کی طرف منسوب ہیں، مکاناتِ عبادت جیسے کعبہ، عرفہ، مزدلفہ،
تینوں جمار، صفا، مروہ، منیٰ اور تمام مساجد ہیں، یہ سب عبادت کے لئے بابرکت مقاماتِ
مقدسہ ہیں۔ اوقاتِ عبادت جیسے رمضان مبارک، حرمت والے مہینے، عید الفطر، عید الاضحیٰ،
جمعہ، ایامِ تشریق وغیرہ بابرکت دن، راتیں اور مہینے ہیں، یہ سب شعائر اللہ ہیں، ان کی تعظیم
واجب ہے اور ان کا احترام روحِ ایمان ہے کیونکہ یہ سب علاماتِ دین ہیں، یہ سب چیزیں
معبودِ حقیقی کی یاد دلاتی ہیں (از تفسیر عزیزی)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالےٰ کے بڑے شعائر چار قرار دئے ہیں

۱۔ قرآن ۲۔ کعبہ ۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۴۔ نماز (حجۃ اللہ البالغہ)

ان سب شعائر اللہ کی تعظیم سے رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور اجر و ثواب
اور دلی تقوےٰ نصیب ہوتا ہے اور ان کی توہین اللہ تعالےٰ کی ناراضگی کا سبب ہوتی ہے

اور اس کے عذاب کا استحقاق ہوتا ہے اور ایمان سے دوری کا وبال نازل ہوتا ہے، ہمارے
رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی علامتِ مقدسہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں
اپنا برہان و دلیل قرار دیا ہے:۔

یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا (سورۂ نساء آیت ۱۷۴)

اے لوگو! بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اتارا۔

جب کہ ساری مخلوق میں سے رسول و نبی سب سے بڑی دلیلِ قدرت ہوتے ہیں اسی لئے انہیں
منصبِ نبوت و رسالت عطا کیا جاتا رہا تاکہ توحید اور دینِ الٰہی کو کھل کر بیان فرمایا کریں اور نبوت و
رسالت کی تصدیق کے لئے معجزات حسی و معنوی دئے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لئے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو دلیلِ اعظم اور برہانِ کامل ہیں۔

اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی دلیل و علامت بتائے گئے ہیں اور
قرآن کو نورِ واضح فرمایا گیا ہے۔ آپ کی آمد مقدم تھی اور قرآن کا نزول مؤخر تھا، اس ترتیب کو
اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے پھر قرآن پر
ایمان لانا ہوگا کیونکہ قرآن آپ پر نازل کیا گیا ہے اور قرآن آپ ہی نے ہمیں عطا کیا ہے لہٰذا
قرآن اور صاحبِ قرآن دونوں پر ایمان لانا اور دونوں کی تعظیم بجا لانا لازمی ہے اور ان کی توہین
اصل میں اللہ تعالےٰ کی توہین ہوتی ہے کیونکہ یہ دونوں اللہ تعالےٰ کی طرف سے دلیل و
برہان بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

ارشادِ الٰہی ہے:۔

ھُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے

شَهِيْدًا (سورۃ الفتح) اور اللہ کافی ہے گواہ۔

اِس آیت سے یہ دعوے واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی شانوں کی پہچان کا مظہر و آئینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ان کی شانوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی شان سمجھ میں آجاتی ہے، وہ اِس طرح کہ جس رب تعالیٰ کے نبی و رسول اتنی بڑی شانوں والے ہیں خود اُس رب تعالےٰ کی شانیں کتنی ارفع و اعلیٰ ہوں گی نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کا مقصد دینِ حق کو باقی تمام دینوں پر غالب کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی آمد سے سابقہ تمام دین منسوخ ہو گئے اور آج اسلام ہر ملک میں موجود ہے۔ اس کے ماننے والے مساجد اور نمازوں کو قائم رکھے ہوئے ہیں اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم توحید باری تعالیٰ کے گواہ ہیں اور خود اللہ تعالےٰ اپنے محبوب کی نبوت و ختمِ نبوت کا گواہ ہے۔

اب اِس حقیقتِ حال میں اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی تعظیم فرض ہے۔ رسول کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے اور ان کی توہین اللہ تعالےٰ کی توہین ہوگی۔

اللہ تعالےٰ نے اپنے رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تعظیم و توقیر کو بطورِ حکم جاری فرمایا ہے، ارشاد ہے:-

إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا	بے شک ہم نے تمہیں بھیجا مشاہدہ
وَّنَذِيْرًا ۙ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ	فرمانے والا اور خوشی اور ڈر سناتا تاکہ
وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ	اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر
وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّأَصِيْلًا	ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو
(سورۃ الفتح آیت ۹)	اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔

ان دو آیتوں سے پہلی آیت کے اندر آپ کی رسالت کا ذکر ہے، مشاہدہ کرنا اور بشارت دینا اور ڈر سنانا جیسے اوصاف کا ذکر ہے۔ دوسری آیت میں تمام جہان سے

تاقیامت حکم ہے کہ تم سب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اطاعت کرو اور یہ کہ ہمارے ایمان کا دارومدار آپ کی بشارت و شہادت پر موقوف ہے، ہم براہِ راست نہ بشارت دینے کے قابل ہیں اور نہ ہی براہِ راست عالمِ غیب کا مشاہدہ کر سکتے ہیں اور یہ بھی حکم ہے کہ رسولِ کریم کی تعظیم و توقیر ہر حال میں کریں اور ہر وہ تعظیم کریں جو شریعتِ اسلامیہ کے خلاف نہ ہو، خوب ادب کرو، نہ ان کو خدا مانو اور نہ خدا جیسا تسلیم کرو، اس کے سوا ہر احترام و ادب کا حق بجالاؤ، سَر سے سجدہ نہ کرو، باقی ہر قسم کی تعظیم کرو، تعظیم و توقیر کو خوب سے خوب تر کرو اور اللہ کی نماز پڑھو اور صبح و شام اللہ کی حمد و ثنا کرو، نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر ہر حال میں ضروری ہے اور یہ بھی تعظیم ہے کہ جب آپ پر اعتراضات ہوں تو ان کو دور کرو۔

ایمان کا ذکر پہلے آیا پھر تعظیم و توقیر کا بیان آیا، آخر میں اللہ کی عبادت کا ذکر آیا، اِس سے یہ بات یقین کی حد تک معلوم ہوئی کہ ایمان مقدم ہے اور ایمان کے ساتھ تعظیم و توقیر ضروری ہے، بعد میں نوافل کا ذکر آیا ہے معلوم ہوا کہ عبادت وہی مقبول ہے جو تعظیم و توقیر کے ساتھ ہو، بغیر تعظیم کے نہ ایمان ہاتھ آئے گا اور نہ عبادت قبول ہوگی۔

تجربہ سے ثابت ہے کہ بعض لوگ عبادت پر ہر طرح سے زور دیتے ہیں اور تعظیمِ نبی کا نہ ذکر کرتے ہیں نہ پرچار کرتے ہیں حالانکہ تعظیم نہیں تو نہ ایمان ہے نہ عمل ہے، بغیر تعظیم کے عبادت کا انجام قرآن نے خود بیان کیا ہے:

وَقَدِمْنَآ إِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ	جو کچھ اعمال انہوں نے کئے ہم نے
فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا	سب برباد کر دئے۔

معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم مدارِ ایمان و مدارِ نجات اور مدارِ قبولِ اعمال ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ	تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی
وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ	تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور

اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ — اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہی بامراد ہوئے۔ (سورۃ الاعراف، آیت ۱۵۷)

اس آیت میں ایمان والوں کے لئے ہدایات ہیں کہ وہ ایمان کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کریں اور ان کی مدد کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو آپ کو عطا کیا گیا ہے، مراد یہ ہے کہ قرآن وحدیث دونوں کی اتباع کریں کیونکہ حدیث قرآن کی تفسیر و تشریح ہے قولی حدیث ہو یا کہ فعلی ہو نیز تعظیم و مدد کا ذکر خصوصی مدد کے طور پر آیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رسالتِ عامہ کے منصبِ عالی کا ذکر بڑی جامعیت اور واضح طور پر آیا ہے۔ رسالتِ عامہ کا مرتبہ سبب ہے اور سب جہانوں کے لئے رحمت ہونا مسبب ہے۔ آپ کی رسالت عامہ تھی تو رحمتِ عامہ بھی عطا کی گئی ہے کیونکہ رسالت سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے جس کی وجہ سے ان گنت ظاہری باطنی، حِسّی، معنوی اور دوسری خوبیاں عطا کی گئیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۝ (الاعراف، آیت ۵۸) — تم فرماؤ! اے لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں۔

آپ کو رسول ماننے سے ایمان ملتا ہے اور بے ادبی کرنے سے ایمان کا رشتہ کٹ جاتا ہے۔ جب آپ رسول ہیں تو آپ کی تعظیم و توقیر بھی رسالت کی وجہ سے ضروری ہو گئی۔ تعظیم روحِ ایمان ہے اور توہین روحِ کفر ہے۔ ایمان اور تعظیم ایک دوسرے کے بغیر نہیں پائے جا سکتے۔ مزید ارشاد ملاحظہ کریں:۔

وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ — اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو۔

اس کلام میں تمام سچے رسولوں پر ایمان لانا اور ان کی تعظیم کرنا بیان کیا گیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایمان اور تعظیم دونوں کو ایک ساتھ ملا کر ذکر کرنے سے واضح ہو گیا کہ صرف زبانی اقرار کافی نہیں ہے جبکہ ایمان کے ساتھ دلی اور عملی تعظیم و احترام نہ ہو اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بلاتفریق

تمام سچے نبیوں اور رسولوں (علیہم السلام) پر ایمان لانا اور ان کی شرعی تعظیم کرنا ضروری ہے، اسلام کا یہ اہم امتیاز ہے کہ اسلام میں اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں پر ایمان لانا اور ان کی تعظیم و احترام ضروری ہے۔

ہمارے رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ادب ایمان کا رکن ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے، مزید ملاحظہ فرمائیے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ — اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔

(الحجرات، آیت ۱)

یعنی کتاب وسنت کی خلاف ورزی نہ کرو کہ یہ اصل میں اللہ اور اس کے رسول کی بے ادبی ہے۔

اس آیۂ مبارکہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ بعض صحابہ نے بقر عید کے دن نبیِ اکرم سے پہلے یعنی نمازِ عید سے قبل قربانی کر لی اور بعض صحابہ رمضان سے ایک دن پہلے روزے شروع کر دیتے تھے چنانچہ ان لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اور اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ قربانی اور روزے عبادات ہیں، اس کے باوجود اگر یہ عبادتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری موجودگی میں ان سے پہلے کی جائیں تو یہ ہرگز قابلِ قبول نہیں ہو سکتیں کیونکہ اس سے نبی کریم کی بے ادبی ہوتی ہے کہ جو کام حضور خود کرنے والے ہیں وہ کام ایک صحابی آپ کی موجودگی میں آپ سے پہلے کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے اور اس پیش قدمی کو قرآن میں ناگوار قرار دیا گیا، یونہی راستہ چلنے، بات کرنے اور دیگر ایسے موقعوں پر حضور سے آگے بڑھنا منع ہے، یہ عمومِ لَا تُقَدِّمُوْا سے ثابت ہے۔

مزید ارشادِ باری ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا — اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو

اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ
وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ
بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ
وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ہ (الحجرات، آیت ۲)

اس غیب بتانے والے نبی کی آواز سے
اور ان کے حضور بات چلّا کر نہ کہو جیسے
آپس میں ایک دوسرے کے سامنے
چلّاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت
نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

اس آیت میں واضح حکم ملا کہ بات کرنے میں تمہاری آوازیں میرے محبوب کی آواز سے بلند نہ ہوں حالانکہ آوازیں کئی قسم کی ہوتی ہیں، فطری آواز کی بلندی کو بھی منع کیا گیا ہے کہ اس میں بھی میرے محبوب کی توہین ہو جاتی ہے۔

یہ واقعہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ صحابی کے متعلق ہے آپ اونچا سنتے تھے اور خود بھی بلند آواز تھے، انہیں حکم ہوا کہ اس بارگاہ میں آواز پست رکھو، حضرت ثابت اس آیت کے نزول کے بعد خانہ نشین ہو گئے، بارگاہِ نبوی میں کئی روز حاضر نہ ہوئے تو حضور نے حضرت سعد سے ان کی غیر حاضری کا سبب پوچھا، وہ بولے کہ میں تو دوزخی ہو چکا ہوں میری آواز اونچی ہو گئی تھی، حضور نے فرمایا ان سے کہدو کہ وہ جنتی ہیں۔

معلوم ہوا کہ آواز کی بلندی اگرچہ فطری ہو اور اونچی بات کرنے والا صحابی ہو اور اہلِ محبت و ادب ہو پھر بھی بصورۃً بے ادبی ہے جو اللہ تعالےٰ کو گوارا نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ بے ادبی کفر ہے اور کفر ہی سے نیکیاں برباد ہوتی ہیں۔ جب ان کی بارگاہ میں اونچی آواز سے بولنے پر نیکیاں برباد ہیں تو دوسری بے ادبی کا ذکر ہی کیا ہے۔

اس اخیر آیت کا مطلب یہ ہے کہ نہ ان کے حضور چلّا کر بولو نہ انہیں عام القاب سے پکارو جن سے ایک دوسرے کو پکارتے ہو، چچا، ابا، بھائی اور بشر نہ کہو بلکہ رحمتِ دو عالم، رسول اللہ، حبیب اللہ، رؤف ورحیم وغیرہ پیاری پیاری صفتوں سے پکارو۔ ارشادِ باری ہوتا ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ
عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ
امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ہ (آیت ۳)
اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ
الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ہ

بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے
ہیں رسول اللہ کے پاس وہ ہیں جن کا
دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ
لیا ہے، ان کے لئے بخشش اور بڑا
ثواب ہے۔ بے شک وہ جو تمہیں
حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں
ان میں اکثر بے عقل ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کی دلی پرہیزگاری اور قلبی تقویٰ کو بیان فرمایا جو حضور کے پاس آپ کی ظاہری حیات میں ادب کے لئے اپنی آوازوں کو پست کرتے رہے جن میں حضرتِ ابوبکر صدیق اور حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما خصوصی طور پر شامل ہیں جیسے کہ آیت کے شانِ نزول سے ثابت ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام عبادات بدن کا تقویٰ ہیں اور حضور کا ادب دل کا تقوےٰ ہے اور صحابۂ کرام کے دل رب نے تقوےٰ کے لئے پرکھ لئے ہیں اور اس کی گواہی و بشارت رب نے دی ہے۔ اب صحابۂ کرام و اہلبیتِ عظام رضی اللہ عنہم کی شان عظمت و رفعت والی ہے، ادب کے نتیجہ میں اللہ تعالےٰ نے ادب والوں کے لئے مغفرت و اجرِ عظیم کی خوشخبری دی ہے یعنی ان کے لئے بخشش بھی ہے اور بڑا ثواب اس کے علاوہ ہے۔

سابقہ آیت لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ کے نزول کے بعد حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تو عہد کیا اور زندگی بھر آہستہ آہستہ کلام کرنے کو اپنا معمول بنا لیا تاکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آوازِ مبارک سے ان کی آواز ادب و احترام کے باوجود اونچی نہ ہو جائے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ! مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ پر قرآن نازل فرمایا، میں آخری وقت تک حضور سے آہستہ آہستہ بات

عرض کروں گا۔

جب کوئی وفد رسولِ کریم سے ملاقات کرنے کے لئے مدینہ منورہ حاضر ہوتا تو آپ کسی آدمی کو وفد کے ہاں بھیجتے جو انہیں حاضری کے آداب بتاتا اور ہر طرح ادب و احترام ملحوظ رکھنے کی تلقین کرتا۔ (روح المعانی)

آج جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رفیع میں بے سوچے اور بے باکی کے خلافِ ادب باتیں کرتے ہیں اور ادب و احترام کو عملاً ملحوظ نہیں رکھتے، اپنے علم پر، اپنی نیکیوں پر اور اپنے ایمان سوز لمبے لمبے وعظوں پر اور بے ادب طرزِ تحریر پر مغرور ہیں وہ ان آیات پر خوب غور کر لیں کہ ان کا انجام کیا ہوگا۔ وہ لوگ اس غلط فہمی میں پڑے ہوئے کہ ان کی لمبی لمبی نمازیں اور زندگی بھر کے روزے اور مالی قربانیاں اور تفسیر و حدیث کے ماہرانہ علمی خدمات، آتش بیان وعظ اور یہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف قیامت میں کام آئیں گی لیکن جب یہی بے ادب ادیب، گستاخ واعظ، توہین کا مرتکب مفسر و محدث قیامت میں میزانِ اعمال پر حاضری دے گا تو اس کی ساری خوش فہمیاں اور اس کی ساری امیدیں یک لخت رائیگاں ہو جائیں گی کیونکہ بے ادبی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ایمان ختم ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اعمال کا سرمایہ ضائع ہو جاتا ہے اور آخر ندامت و شرمندگی کے سوا کچھ بھی قیامت کی خوفناک منزلوں میں نہیں پائے گا۔

اس آیت سے علماء نے یہ بھی اخذ کیا ہے کہ روضۂ مقدسہ پر حاضری کے وقت آواز اونچی نہ کرے، درسِ حدیث ہو رہا ہو وہاں بھی ادب کے لئے آواز بلند نہ کرے علماءِ ربانیین کی خدمت میں حاضر ہو تو اس وقت بھی پست آواز سے باتیں کرے، حضراتِ مشائخ و اولیاء کرام سے بھی ادب و احترام کو ملحوظ رکھے ہاں اگر ضرورتِ شرعی کے لئے حکم ہو تو پھر حرج نہیں جیسے حضرتِ بلال حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بلند آواز سے اذان دیتے تھے، جنگ میں بلند آواز سے نعرے لگائے جاتے تھے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ حنین میں حضرت عباس

رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ صحابہ کرام کو بلند آواز سے بلاؤ۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بلند آواز سے آپ کے قصیدے اور نعتیں سناتے تھے۔ (روح البیان)

ادب ہو، نیت احترام کی ہو تو تب بات بنتی ہے ورنہ محرومی کے سوا کچھ نہیں ملتا، مزید ارشادِ باری تعالے پر غور کریں:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

بے شک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ آیت قبیلہ بنو تمیم کے وفد کے متعلق نازل ہوئی جو دوپہر کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ آپ اس وقت قیلولہ فرما رہے تھے۔ انہوں نے باہر ہی سے پکارنا شروع کر دیا، سرکار تشریف لے آتے، تب یہ آیت اتری۔ ان لوگوں کی اس غیر شائستہ حرکت پر ان کی سرزنش فرمائی گئی اور پھر انہیں ادب سکھایا گیا کہ انہیں چاہئے تھا کہ صبر سے باہر بیٹھتے، جب آپ خود تشریف لاتے تو عرض معروض کرتے، یہ ان کے لئے بہتر تھا۔

اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانۂ نبوت کے آداب کا ذکر ہے جو رب تعالیٰ نے خود ہی بنائے اور اسی نے سکھلائے اور یہی آداب سب انسانوں، فرشتوں اور جنات وغیرہ کے لئے ہیں اور سب پر حاوی ہیں۔ فرشتے بھی اجازت لیکر حاضری دیتے تھے۔ پھر یہ آداب ہمیشہ کے لئے ہیں چنانچہ ان لوگوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معافی دے دی حالانکہ یہ حکم بعد میں آیا لیکن واقعہ پہلے کا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دربارِ رسالت کا احترام وادب فطری چیز ہے جو قانون بننے سے پہلے بھی ضروری ہے۔ اس آیت سے علماء نے اخذ کیا ہے کہ اپنے مشائخ اور اساتذہ حضرات سے استفادہ کے لئے جب حاضری دو تو انتظار کرو کہ وہ خود تشریف لائیں۔ اس پر علماء نے عمل بھی کیا ہے اور اس کے بہتر نتائج نکلے ہیں۔ (روح المعانی)

اللہ تعالیٰ نے نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ عظمت دی ہے کہ ان کے فیصلے کو پوری طرح تسلیم کرو، ان کے فیصلے کے خلاف کسی مسلمان مرد و عورت کو کسی کا اختیار نہیں ہے اور اگر کسی نے آپ کی مخالفت کی یا نافرمان بنا یا آپ کے فیصلے کو نظر انداز کیا تو ایسے شخص کو قرآن نے گمراہ قرار دیا ہے۔

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝

اور کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بے شک صریح گمراہی میں بہکا۔

یہ آیت حضرت زینب بنت جحش اسدیہ اور ان کے بھائی عبد اللہ بن جحش اور ان کی والدہ امیمہ بنت عبد المطلب حضور کی پھوپھی کے حق میں نازل ہوئی کہ حضور نے زید بن حارثہ جو حضور کے لے پالک تھے ان کے نکاح کے لئے زینب کو پیغام دیا جس کو زینب اور دیگر حضرات نے قبول نہ کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت زینب وغیرہ راضی ہو گئے اور حضرتِ زید کا نکاح زینب کے ساتھ کر دیا گیا۔

اس آیت میں کتنی بڑی تعظیم کا ذکر ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی فیصلہ کرلیں تو اہلِ ایمان کو جان و مال میں کسی طرح کا اختیار باقی نہیں رہتا کیونکہ ہماری عقلوں سے

آپ کے فیصلے بلند تر ہیں اور ان کے مفادات جو ہیں وہ ہماری بہتری کے لئے ہیں گو کہ ہم اس کی گہرائی تک نہ پہنچ سکیں۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کے حکم اور مشورے میں فرق ہے، حکم کو ہر حال میں قبول کرنا ہوگا اور مشورے کے قبول کرنے میں اختیار ہوگا نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس کے الفاظ عام ہیں، ان میں کسی خصوصی واقعہ کو صراحۃً نام لے کر ذکر نہیں کیا گیا ہے لہٰذا اس کے عام حکم کے تحت کسی مسلمان فرد، قوم، حکومت یا حکومتِ اسلامیہ کے مقرر کئے ہوئے کی کمیشن اور قانون ساز ادارہ کو اس امر کا اختیار نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کو نظر انداز کر کے اپنے لئے کوئی راہِ عمل تجویز کرے، مسلمان ہوتے ہوئے اطاعتِ رسول کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔

ایک طرف ہم سچے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور دوسری طرف ادنیٰ سے فائدہ کے لئے ہم احکامِ اسلام کو بڑی آسانی سے پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ ہماری اس دوغلی پالیسی کے باعث اسلام کو رسوا کیا جارہا ہے اور ہمیں اس چشمۂ فیض سے فیضیاب ہونے کا موقع نہیں مل رہا بلکہ دوسروں کی محرومی کا باعث بن رہے ہیں لہٰذا قرآن وسنت ہی انسانی ہدایات کے لئے دائمی قوانینِ ہدایت ہیں، اسلامی ممالک کی ترقی کا راز اور امن وسلامتی کا راستہ صرف اسلام ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ۔ (انفال، آیت ۲۴)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول تمہیں اس چیز کے لئے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی۔

اس آیت میں یہ حکم دیا گیا کہ جب یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں بلائیں تو تم فوراً حاضر ہو اور یہ کہ رسول کا بلانا اللہ تعالیٰ ہی کا بلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی حضور کے واسطے سے بلاتا ہے،

بلاواسطہ کسی کو نہیں بلاتا، ہر حال میں حاضر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور تعظیم و ادب کو ہر حال میں جاری رکھا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ایسی چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں جو تمہاری زندگی کا باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان پر یہ فیصلہ و حکم جاری فرمایا کہ مسلمان ہر حال میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکم و فیصل تسلیم کریں، یہی ایمان کا تقاضا ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ (النساء، آیت ۶۵)

تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے نہ مان لیں۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو نہ ماننے والا اصلاً مسلمان نہیں رہتا اور اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، گناہ کرنے والا کیسا ہی مجرم ہو وہ فاسق تو ہو گا لیکن مسلمان بھی رہے گا کیونکہ وہ کلمہ پڑھتا ہے اور اس پر یقین کرتا ہے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کا انکار نہیں کرتا بلکہ دل سے تصدیق کرتا ہے اور زبان سے اقرار کرتا ہے اور آپ کے سب فیصلوں کو مان کر تعظیم و ادب کرتا ہے، انکار اور بے ادبی کا انداز اختیار نہیں کرتا اور جو لوگ کلمہ پڑھنے کے باوجود اسلامی احکام میں نقص نکالیں اور اسلامی قوانین کے مقابلہ میں غیر اسلامی قوانین کو اچھا جانیں، ایسے لوگ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں جو اس آیت سے ظاہر ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ حقیقی حاکم مطلق اللہ تعالیٰ ہے:

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ — حکم صرف اللہ کا ہے۔

یعنی حقیقی حکم اللہ کا ہے یا تکوینی حکم صرف اللہ کا ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم حقیقت میں ان کا ذاتی حکم نہیں ہوتا بلکہ آپ کا حکم بھی اصل میں اللہ کا حکم ہوتا ہے کیونکہ آپ پیغمبر کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں لہٰذا حضور کے سارے فیصلے برحق اور واجب العمل ہیں۔

یہ تو واضح امر ہے کہ آپ کے فیصلوں کو نہ ماننا اور زبان درازی کرنا کفر و ارتداد ہے بلکہ اس آیت میں تو یہاں تک کہا گیا کہ آپ کے فیصلوں کو قبول کر لینا اور دل سے راضی نہ ہونا یہ کفار کا طریقہ ہے، اس سے ایک مسلمان کافر ہو جاتا ہے کہ اِس عمل سے ایک مسلمان توہین و بے ادبی کا مرتکب ہو جاتا ہے اور ایمان کا تقاضا ادب و احترام و تسلیم ہے، دل سے نہ ماننے سے تصدیق نہیں تکذیب ہے اور تکذیب توہین کا اعلیٰ فرد ہے اور زبان سے تصدیق اور دل سے تکذیب منافقت بھی ہے۔

اِس آیت کے نزول کا اصل واقعہ یہ تھا کہ اہلِ مدینہ پہاڑی پانی سے اپنے کھیت سیراب کرتے تھے، حضرت زبیر اور ایک انصاری کے کھیت ملے ہوئے تھے، ان دونوں کا اس پانی متعلق جھگڑا ہو گیا کہ پہلے کون اپنے کھیت کو پانی دے، یہ مقدمہ بارگاہِ رسالت میں پیش ہوا، حضور نے فیصلہ فرمایا کہ پہلے حضرت زبیر پانی دیں پھر انصاری، کیونکہ حضرت زبیر کا کھیت اوپر کی جانب تھا۔ یہ فیصلہ انصاری کو ناگوار گذرا، اس کے منہ سے نکل گیا کہ زبیر آپ کے پھوپھی زاد قریبی ہیں، اس پر یہ آیت اتری۔

ظاہر ہے کہ انصاری پر مرتد کا حکم نہیں لگایا گیا ہو گا کیونکہ اِس واقعہ سے قبل یہ قانونی آیت کا نزول نہیں ہوا تھا لیکن آج اگر کوئی اس قسم کے انکار کا ارتکاب کرتا ہے تو یقیناً مرتد ہو جائے گا۔

مسلمانوں کے لئے وہی فیصلے قابلِ قبول ہونا چاہئیں جو اسلامی قانون کے زیرِ اثر ہوں اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کی پیروی کریں اور ہر نزاع کا حل اللہ و رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اسلامی قوانین کی روشنی میں تلاش کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ معصوم ہیں، ان کے تمام شرعی احکام ہر خطار سے محفوظ ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا ہے، ملاحظہ ہو:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ (النساء، آیت ۵۹)

اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو، اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔

اس آیت میں اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے جس میں کسی شرط کی پابندی نہیں ہے اور حاکم، قاضی اور حکمران طبقہ کی اطاعت کا بھی حکم ہے بشرطیکہ ان کے فیصلے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن وسنت کے موافق ہوں اور حضور کی اطاعت ہر حکم میں واجب ہے، اسی طرح ائمہ مجتہدین اور فقہاءِ کاملین اور علماءِ ربانیین کی اطاعت بھی ضروری ہے اس اطاعت میں تعظیم ہے اور نافرمانی میں سراسر بے ادبی ہے۔

حضور کی گستاخی کفر وارتداد ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تعظیم کے ساتھ ہو تو عینِ ایمان ہے اور آپ کی توہین کفر وارتداد ہے، قرآن پاک میں ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (البقرہ، آیت ۱۰۴)

اے ایمان والو! راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں، اور پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور کے وعظ میں عرض کرتے تھے رَاعِنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ یعنی ہماری رعایت فرماتے ہوئے یہ کلام واضح فرمادیں۔

یہود کی زبان میں یہ لفظ گالی تھا، انہوں نے بری نیت سے یہی لفظ کہنا شروع کیا، حضرتِ سعد نے یہود سے کہا کہ اگر تم نے آئندہ یہ لفظ بولا تو تمہاری گردن ماردوں گا کیونکہ آپ یہود کی زبان سے واقف تھے۔ یہود بولے کہ مسلمان بھی تو یہ لفظ بولتے ہیں چنانچہ تب یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو بھی اس لفظ کے استعمال سے منع کردیا گیا۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہلکا لفظ بولنا حرام ہے اگرچہ توہین کی نیت نہ بھی ہو اور توہین کی نیت سے بولنا کفر ہے نیز جس لفظ کے دو معنے ہوں اچھے اور برے تو وہ بھی اللہ تعالےٰ اور حضور کے لئے استعمال نہ کئے جائیں تاکہ دوسروں کو بدگوئی کا موقع نہ ملے لہٰذا اللہ تعالیٰ کو "میاں" نہ کہو کیونکہ اس کے دو معنے ہیں خاوند اور مالک لیکن مالک گو کہ اچھا معنے ہے لیکن چونکہ اس کا دوسرا معنے خاوند اور شوہر بھی مشہور ہے لہٰذا مالک کی نیت سے بھی اللہ کو میاں کہنا منع ہے۔

اس آیت سے واضح ہے کہ رسولِ کریم کی بے ادبی کرنے والا کافر ہے اور کافر کے لئے دردناک عذاب ہے، عذاب سے بچنا اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت وایذاء سے اپنے آپ کو بچایا جائے (اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان وتعظیم پر ہی قائم ودائم رکھے) آمین۔

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (التوبہ، آیت ۶۱)

اور جو رسول اللہ کو اذیت دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

آیتِ مندرجہ سے ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینا کفر ہے اور اس کی سزا دردناک عذاب کی صورت میں ہوگی۔

قرآن پاک نے ایسے افراد و جماعتوں کو کھلے انداز سے رد کر دیا ہے جو اپنی خواہشاتِ نفسانی کے باعث اپنی ہی خواہشوں کو معبود کا درجہ دیا ہے اور اپنے حقیقی معبود کے احکام کو ترک کر کے انکاری ہو گئے ہیں :-

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ	بھلا دیکھ تو جس نے اپنی خواہش کو اپنا
أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ○	خدا بنا لیا تو کیا تو اس کا ذمہ لے گا
أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ	یا تجھے گمان ہے کہ ان میں بہت کچھ
أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ	سنتے یا عقل رکھتے ہیں وہ تو نہیں
بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ○	مگر جیسے چوپائے بلکہ وہ تو ان سے
	بھی بڑھ کر گمراہ ہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ جو لوگ نفس کی خواہشوں کو ہی سب کچھ سمجھ لیں، وہ بے عقل جانوروں کی طرح ہیں بلکہ جانوروں کو شعور تو ہوتا ہے اور یہ لوگ تو جانوروں سے بدتر حالتِ گمراہی میں ہیں خاص کر اللہ کے مقابلہ میں خواہشوں کی پیروی کرنا اور نصوص کے احکام کے بدلے نفس کا حکم ماننا بدترین گمراہی ہے۔

یاد رہے مشرکینِ عرب کا دستور تھا کہ ان میں سے ہر ایک کسی پتھر کو پوجتا رہتا پھر جب کبھی اس پتھر سے اچھا مل جاتا تو پہلے کو پھینک کر دوسرے کو اٹھا لیتا اور اسے پوجنے لگتا۔

اس آیت میں ان مشرکین کی مذمت آئی ہے۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ آزادی اچھی چیز ہے مگر بے قیدی اور لاقانونیت بری چیز ہے۔ آزادیٔ رائے وہ قابلِ قبول چیز ہے جو کسی مذہب یا کسی مذہب کے بانی کی گستاخی پر مبنی نہ ہو خاص کر جبکہ کسی قسم کا اشتعال نہ ہو تو کسی مذہب یا کسی شخصیت کا مذاق اڑانا، یہ فتنہ کا دروازہ کھولنا ہے لہٰذا ایسی بے لگام توہین آمیز آزادیٔ رائے عالمی امن کے لئے خطرہ کا باعث ہے۔

غزوۂ تبوک میں جاتے ہوئے تین منافقوں میں سے دو آپس میں بولے کہ حضور کا خیال ہے ہم روم پر غالب آجائیں گے، یہ بالکل غلط ہے، تیسرا خاموش تھا مگر ان کی باتوں پر ہنستا تھا۔ حضور نے ان تینوں کو بلا کر پوچھا تو وہ بولے کہ ہم راستہ کاٹنے کے لئے دل لگی کرتے جا رہے تھے، اس پر یہ آیت اتری، اس سے یہ معلوم ہوا کہ کفر کی باتیں سنکر رضا کے طور پر خاموش رہنا یا ہنسنا بھی کفر ہے کیونکہ کفر پر راضی ہونا کفر ہے۔

حضور کی توہین اللہ کی توہین ہے، ان منافقوں نے صرف نبی کریم علیہ السلام کی بے ادبی کی تھی لیکن اللہ تعالٰی نے اسے اپنی توہین قرار دیا، ایسے ہی حضور کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے، ملاحظہ کریں :-

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا	اور اے محبوب! اگر تم ان سے
كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ	پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی
أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ	ہنسی کھیل میں تھے، تم فرماؤ کیا
تَسْتَهْزِئُونَ ○ (آیۃ ۶۵)	اللہ اور اس کی آیتوں اور اسکے
	رسول سے ہنستے ہو؟
لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ	بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے
إِيمَانِكُمْ ۚ	مسلمان ہو کر۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کفر و ارتداد ہے اگرچہ نیت نہ بھی کرے کیونکہ اس آیت میں استہزاء کو کفر قرار دیا گیا اور یہ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ بغیر کسی تردد کے مرتد ہے۔

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ	تمہارے سامنے اللہ کی قسم کھاتے ہیں
وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ	کہ تمہیں راضی کر لیں اور اللہ و رسول

يُرۡضُوۡهُ اِنۡ كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ۝ (آیۃ ۶۲) کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے اگر ایمان رکھتے تھے۔

یہ آیت منافقین کی مذمت میں اتری ہے۔ منافق عناصر اکیلے میں اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے اور مسلمانوں کے پاس آکر جھوٹی قسمیں کھا جاتے تھے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ان کی جھوٹی قسموں کا ذکر فرمایا اور دوسری بات یہ بیان کی گئی کہ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولِ کریم دونوں کو راضی کرنے سے ایمان ملتا ہے اور ہر حال میں رسول اللہ کو راضی رکھا جائے کیونکہ ان کی رضا اللہ ہی کی رضا ہے، اسی لئے ان یرضوہ میں ہ واحد ضمیر حضور کی طرف لوٹتی ہے:

اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّهٗ مَنۡ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدًا فِيۡهَا ؕ ذٰلِكَ الۡخِزۡىُ الۡعَظِيۡمُ ۝ (توبہ، آیت ۶۳)

کیا انہیں خبر نہیں کہ جو خلاف کرے اللہ اور رسول کا تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے، ہمیشہ اس میں رہے گا، یہی بڑی رسوائی ہے۔

معلوم ہوا کہ سرکارِ دوعالم کی مخالفت اور بے ادبی و گستاخی کی سزا رسوائی و ذلّت کا دائمی عذاب ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو ناحق جان کر خلاف کرنے والا مرتد ہے اور حق جان کر ان پر عمل نہ کرنے والا مسلمان فاسق ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور کی مخالفت مطلقاً کفر ہے۔

وَمَا كَانَ لَكُمۡ اَنۡ تُؤۡذُوۡا رَسُوۡلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنۡ تَنۡكِحُوۡۤا اَزۡوَاجَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمۡ كَانَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمًا ۝

اور تمہیں نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ کو ایذا دو اور نہ یہ کہ ان کے بعد کبھی ان کی بیبیوں سے نکاح کرو بیشک یہ اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات ہے۔

اس آیت سے واضح ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانا حرام

کفر ہے بشرطیکہ نیت اذیت پہنچانے کی ہو اور اگر ہمارے برے اعمال کی وجہ سے آپکو تکلیف پہنچتی ہو تو اس میں ہماری نیت شامل نہیں ہوتی اور اگر نیت ایذا رکی ہو تو یہ کفر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ازواج مطہرات میں سے کسی سے مناکحت کو ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے دیا گیا بلکہ ان سے مناکحت کا وہم بھی سخت گناہ ہے اور اس حرمت میں شک کرنے والا بھی کافر ہے کہ اس میں بے ادبی بھی ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اہلِ ایمان کی مائیں ہیں کیونکہ ان کی زوجیت کی نسبت رسولِ کریم علیہ السلام کی طرف ہے۔

اِن پاکدامن روحانی ماؤں کی بے ادبی رسولِ کریم کی بے ادبی ہے۔ رسولِ کریم علیہ السلام کی اذیت سے دنیا و آخرت میں لعنت پڑتی ہے، قیامت میں ذلّت کا عذاب ہوگا، ارشادِ باری ہے:

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمۡ عَذَابًا مُّهِيۡنًا ۝ (الاحزاب، آیت ۵۷)

بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا و آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخوں سے اجتناب ضروری ہے

افسوس ہے ان لوگوں پر جو ایمان کے دعوے کرتے ہیں اور محبت کے مدعی بنتے ہیں مگر ان کے ایمانی دعوے اس وقت آزمائے جاتے ہیں جب اللہ و رسول کے دشمنوں اور گستاخوں کے ساتھ ان کی دلی دوستی ظاہر ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کی مذمت میں قرآن کا ارشاد ملاحظہ ہو:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ

تو نہ پائے گا انہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ اور قیامت پر کہ ان کے دل میں ایسوں کی محبت آنے پائے جنہوں نے خدا اور رسول سے مخالفت کی چاہے وہ ان کے باپ یا بیٹے یا عزیز ہی کیوں نہ ہوں، یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی۔

اِس آیت سے واضح اور معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والا چاہے کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو وہ گستاخی کے بعد تمہارے لئے اِس قابل نہیں رہا کہ اس سے دلی دوستی رکھو یا اس کا دلی احترام کرو لہٰذا اس آیت کا مفاد یہ ہوا کہ جو اس سے دوستی کرے وہ مسلمان نہ ہوگا۔

مزید فرمایا کہ ایمان والے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ کفر کے چاہنے والوں کو قلبی دوست بنائیں، ارشاد ہوتا ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

اے ایمان والو! اپنے باپ، اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو پسند کریں اور تم میں جو ان سے رفاقت کریں اور وہی لوگ ظالم ہیں۔

ارشادِ الٰہی ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ (الیٰ قولہ تعالیٰ) تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ (الیٰ قولہ تعالیٰ) لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

(ممتحنہ، ع ۱)

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ تم چھپ کر ان سے جو ایسا کرتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور تم میں جو ایسا کرے گا وہ ضرور سیدھی راہ سے بہکا تمہارے رشتے دار اور تمہارے بچے تمہیں نفع نہیں دیں گے قیامت کے دن تم میں اور تمہارے پیاروں میں جدائی ڈال دے گا کہ ایک دوسرے کے کچھ کام نہ آسکے گا اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اور جو تم میں ان سے دوستی کرے گا تو بیشک وہ انہی میں سے ہے، بیشک اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالموں کو۔"

ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جو لوگ عداوت رکھتے ہیں اور ان کی گستاخی کرتے ہیں، اہلِ ایمان ان سے کسی قسم کی دوستی نہیں کر سکتے کیونکہ ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے گستاخوں سے محبت و رغبت نہیں رکھی جا سکتی ورنہ ایمان باقی نہیں رہے گا اور ایسے لوگ خود ظالم و گمراہ ہیں اور یہ بھی بتایا گیا کہ جو گستاخوں سے دوستی رکھتے ہیں وہ بھی گستاخوں میں شامل ہونگے

(اللہ کی پناہ) اور جو لوگ بظاہر گستاخوں سے دوستی نہیں رکھتے مگر چھپ کر دوستی نبھا رہے ہیں تو یہ اور گستاخ طبقہ ایک جیسے ہوں گے۔

یہ توقع نہ کی جائے کہ وہ اللہ و رسول کے گستاخ کی عزت کرے گا اور اللہ و رسول کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دے گا یا وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کو آسانی کے ساتھ برداشت کرے گا یا سچا مسلمان گستاخوں کی رعایت و تعاون کو اختیار کرے گا۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و عزت کی خاطر جان قربان کردے گا اور اللہ و رسول علیہ السلام کی عزت و احترام میں کسی مداہنت و منافقت کو قبول نہیں کریگا جس کی تفصیل اِس مقدمہ کے بعد آرہی ہے۔ اللہ تعالےٰ اور اس کے آخری نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سابقہ انبیاءِ کرام علیہم السلام اور آسمانی کتابوں اور خاص کر قرآنِ مجید کی توہین و گستاخی تو بہت بڑا جرم و ارتداد ہے، اِس میں نہ شک ہے اور نہ شک کی گنجائش ہے۔

اہلِ ایمان کی گستاخی مسلمان کی حیثیت سے کفر و گمراہی ہے

قرآن تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام، اہلِ بیت عظام اور ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی توہین و گستاخی کی بھی مذمت کرتا ہے بلکہ عام اہلِ ایمان، اہلِ ادب و احترام سچے مسلمانوں کی ایمان اور دینی علم و عمل کی بنیاد پر گستاخی و توہین کو قرآن رد کرتا ہے اور اس کی سخت مذمت کرتا ہے۔

اصل میں مغرب پرست عناصر اور اسلام دشمن قوتیں علماءِ حق اور اہلِ ایمان و اسلام اور مسلمانوں کی گستاخی اور طعن و لعن اس لئے کرتے ہیں کہ اس ناپاک تحریک کی وجہ سے مسلمانوں کے عقائد و اعمال میں کمزوری پیدا کی جائے اور اللہ تعالےٰ کے راستہ سے ان کو روکا جائے اور اسلام کے متعلق شک و تردد کی فضا پیدا کی جاسکے۔ قرآنِ پاک میں اس موضوع کی

دو قسم کی آیات ہیں۔

پہلی قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ کافروں کی یہ عادت و فطرت ہے کہ اہلِ ایمان کے ساتھ اس لئے مذاق، ٹھٹھا، ہنسی کرتے ہیں کہ وہ اہلِ ایمان و اہلِ توحید ہیں یعنی گستاخی کا اصلی سبب ان کا ایمان ہے اور اسلام کو ماننا یہ کفار کی موت ہے کیونکہ ساری دشمنی اسلام سے ہے۔ اِس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا:۔

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (البقرہ، آیۃ ۲۱۲)

کافروں کی نگاہ میں دنیا کی زندگی آراستہ کی گئی اور مسلمانوں سے ہنستے ہیں اور ڈرو والے ان سے اوپر ہوں گے قیامت کے دن اور خدا جسے چاہے بے گنتی دے۔

دنیا کی زندگی وہ زندگی ہے جو نفس کی خواہشات میں صرف ہو اور جو توشۂ آخرت جمع کرنے میں خرچ ہو وہ بفضلہ تعالےٰ دینی زندگی ہے، اِس میں وہ لوگ داخل ہیں جو آخرت سے غافل ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ غریب مسلمانوں کا مذاق اڑانا، کسی مومن کو ذلیل یا کمینہ جاننا کافروں کا طریقہ ہے۔

کافر و فاسق اگرچہ مالدار ہے، ذلیل ہے، مومن اگرچہ غریب ہو کسی قوم سے ہو، عزت والا ہے بشرطیکہ متقی ہو کیونکہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ سے ثابت ہے کہ تقویٰ والے ہی عزت والے ہوتے ہیں اور تقوےٰ ایمان کے بغیر نہیں ہوتا، مومن غریب متقی ہو تو عزت والا ہے، ارشادِ الٰہی ہے:۔

اَلْعِزَّةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔

عزت اللہ اور اس کے رسول کی ہے اور ایمان والوں کی ہے۔

یہ بھی ظاہر ہوا کہ دنیا میں مال کی زیادتی محبوبیت کی علامت نہیں، بہت دفعہ کافر

مالدار ہو جاتے ہیں، مومن غریب۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، یزیدیوں کی بظاہر فتح ہوئی، اس سے یہ دلیل نہیں ملتی کہ فاتح یا مالدار عزت والا بن جاتا ہے بلکہ فاتح ظالم، مالدار بخیل یا مالدار کافر ہی ذلیل ہوتے ہیں، محبوبیت کی علامت اللہ کی طرف سے خیر اور نیک اعمال کی توفیق ہے

آیتِ مندرجہ بالا میں ایمان والوں سے ہنسی کو ایمان کی بنیاد پر کفر قرار دیا گیا ہے، ارشادِ الٰہی ہوتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ۝ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ۝ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ۝ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ۝ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ۝ (المطففین: ۲۹-۳۳)

بے شک مجرم ایمان والوں سے ہنسا کرتے تھے اور جب وہ ان پر گزرتے تو یہ آپس میں ان پر آنکھوں سے اشارے کرتے اور جب اپنے گھر پلٹتے خوشیاں کرتے پلٹتے اور جب مسلمانوں کو دیکھتے تو کہتے بیشک یہ لوگ بھکے ہوئے ہیں اور یہ کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہ بھیجے گئے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کافر تین بڑے جرم کرتے تھے:

۱۔ مسلمان پر ہنسنا۔

۲۔ مسلمانوں کو دیکھ کر آپس میں اشارہ بازیاں کرنا اور

۳۔ گناہوں پر خوش ہونا۔

اس آیت سے یہ بھی خبر ہوگئی کہ صحابہ کرام کو گمراہ کہنا کافروں کا کام ہے اور صحابہ کرام و اہلبیتِ عظام کا مذاق اڑانا کفر ہے کیونکہ صحابہ کرام کے ذریعے سے ہی اسلام پچھلوں تک پہنچتا رہا۔

ان حضرات صحابہ کرام و اہلِ بیت عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی عظمتیں قرآن و حدیث میں موجود ہیں، ارشادِ الٰہی ہے:

كَمْ أَرْسَلْنَا مِنْ نَبِيٍّ فِي الْأَوَّلِينَ ۝ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ (الزخرف: ۶-۷)

اور ہم نے کتنے نبی اگلوں میں بھیجے اور ان کے پاس جو نبی آیا ان کی ہنسی ہی بنایا کئے۔

ان آیات میں ان نبیوں کا ذکر ہے جو کفار کی طرف بھیجے گئے تھے اور یہ بھی بتایا گیا کہ جب بھی کوئی نبی ان کافروں کی طرف آتے تو وہ نبیوں سے ہنسی کرتے رہے، یہ عادت کافروں کی ہے: اس کفر والی عادت سے مسلمانوں کو بچنا ضروری ہے ورنہ اس گستاخی کے باعث ایک مسلمان کافر ہو جائے گا:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ۝ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ (الحجر: ۱۰-۱۱)

اور بے شک ہم نے تم سے پہلے اگلوں میں رسول بھیجے اور ان کے پاس کوئی رسول نہیں آتا مگر اس سے ہنسی کرتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر زمانہ اور زمانہ والوں کے لئے علیحدہ علیحدہ رسول تشریف لائے۔ ہمارے حضور سارے عالم کے لئے رسول ہیں، چراغ ہر گھر کا الگ الگ ہے مگر سورج سب کا ایک ہے اور یہ مقصد بھی ظاہر ہے کہ کافروں کی عادت ہے کہ وہ انبیاءِ کرام علیہم السلام اور اہلِ ایمان سے مذاق و ہنسی کرتے ہیں اور اگر مسلمان بھی ایسا ہی کریں تو پھر مسلمان مسلمان نہیں رہتا۔

ان آیات میں اللہ تعالٰی نے یہ بیان فرمایا کہ اہلِ ایمان مسلمانوں کے ساتھ ہنسی و مذاق کرنا کافروں کی عادت ہے۔ کافروں کا اس سے مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت کو قبول کرنے سے روکا جائے اور مسلمانوں کے عقائد میں کمزوری پیدا کی جائے۔

یہ ساری کوشش اس لئے رہی ہے کہ کافروں کی اسلام سے دشمنی ہے اور ان کی یہ دشمنی ہمیشہ رہے گی اور اہلِ ایمان اس کا دفاع کرتے رہیں گے۔ کافر ایمان کی بنیاد پر مسلمانوں سے دشمنی اور ہنسی کرتے رہے حالانکہ مسلمان بھی اسی زمین میں اسی قوم سے اور ایک ہی زبان والے تھے، صرف ایمان کی مخالفت کافروں اور ان کے ایجنٹوں کی تحریک ہے جو شروع سے چلی آرہی ہے۔

دوسری قسم: اللہ تعالیٰ نے جب یہ خبر دی ہے کہ جس قوم کے پاس کوئی رسول یا نبی تشریف لائے تو پہلا کام ان کافروں کا رہا کہ وہ رسول یا نبی کے ساتھ گستاخی ہنسی کریں اور جو ان کے ماننے والے ہیں ان کے ساتھ بھی ہنسی کریں، ملاحظہ کریں:

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۝ (الشعراء: ۱۱۱)
بولے کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں اور تمہارے ساتھ کمینے ہوئے ہیں۔

یعنی ایسے لوگ ایمان لائے ہیں کہ وہ غرباء و مساکین ہیں جن کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہمارے لئے باعثِ شرم ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام ہمیشہ غریبوں نے قبول کیا اور غریب ہی انبیاءِ کرام علیہم السلام کی اطاعت کرتے رہے۔ دوسرا یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن کو کمینہ کہنا اور رذیل سمجھنا کفار کا کام ہے حالانکہ کوئی مومن کمینہ نہیں ہے، سب شریف ہیں، شرافت و کرامت ایمان و تقوے سے حاصل ہوتی ہے اور مومن کے مقابلہ میں کوئی کافر شریف نہیں۔

اصل میں ایمان کی دعوت دینا اور دعوتِ ایمان کو قبول کرنا، کافروں اور کافروں کے نمائندوں کو گوارا نہیں:

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا
تو اس کی قوم کے سردار جو کافر تھے بولے ہم تو تمہیں اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں اور ہم نہیں دیکھتے کہ تمہاری پیروی کسی نے

الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ۝ (ہود: ۲۷)
کی ہو مگر ہمارے کمینوں نے سرسری نظر سے اور ہم تم میں اپنے اوپر کوئی بڑائی نہیں پاتے بلکہ ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبیوں کو اپنے جیسا بشر کہنا یا سمجھنا اور مساوی درجہ دینا کفر کی جڑ اور گمراہی کی سیڑھی ہے اور یہ کہ صحابہ کرام اور اہلِ بیتِ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو ایمان کی دولت سے سرفراز تھے، انہیں حقارت کی نظر سے دیکھنا کافروں کا کام ہے، اہلِ ایمان کی عزت و احترام کرنا یہ مسلمانوں کا کام ہے، دونوں طریقوں میں واضح فرق ہے۔

اس آیت میں نبی اور ان کے ماننے والوں کے خلاف کافروں کے طریقہ کار کا ذکر ہے کہ کافر ان مقبولوں کی گستاخی کرتے رہے اور آج بھی کافر اور ان کے نمائندے مومنوں سے مذاق کرتے ہیں:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (الاعراف: ٦٦)
اس کی قوم کے سردار بولے بیشک ہم تمہیں بیوقوف سمجھتے ہیں اور بیشک ہم تمہیں جھوٹوں میں گمان کرتے ہیں۔

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الاعراف: ٦٧)
کہا اے میری قوم مجھے بے وقوفی سے کیا علاقہ؟ میں تو پروردگارِ عالم کا رسول ہوں۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ جو شخص یا کوئی طبقہ نبی کی عقل یا نبی کا علم کسی سے کم مانے وہ بے دین ہے حالانکہ انبیاءِ کرام علیہم السلام علم و عقل کے انتہائی اعلیٰ درجہ میں ہوتے ہیں جیسے حضرتِ ہود علیہ السلام کو قوم نے اپنے سے کم عقلمند سمجھا اور یہی انکی

بڑی بے وقوفی ہے کیونکہ نبوت انتہائی کمال کا نام ہے اور سفاہت، بے وقوفی انتہائی نقص ہے اور نبی ہدایت کا سرچشمہ ہوتے ہیں۔ تمام جہان کی عقل نبی کی عقل کی نسبت سے ایسی ہے جیسے قطرہ سمندر کی نسبت سے اور تمام رسولوں کی عقل حضور کی نسبت سے ایسی ہے جیسے قطرہ سمندر کی نسبت سے ہے۔

حضرتِ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ میں ہے:۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰیٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَضْحَكُوْنَ ۝ (الزخرف : ۴۷)	پھر جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیاں لایا جبھی وہ اس پر ہنسنے لگے۔

اِس آیت میں بھی فرعون اور اس کے حمایتیوں نے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام سے ہنسی کی تھی۔

کافروں کی عادت ہے کہ وہ دعوتِ انبیاءِ کرام علیہم السلام کو گوارا نہیں کرتے تھے اِس وجہ سے کافر لوگ انبیاءِ کرام علیہم السلام اور ان کے ماننے والوں سے ہر طرح کی گستاخیاں اور ہنسیاں کرتے تھے اور آج کا ماڈرن مسلمان، اِس پر غور کریں کہ وہ کس رَوش کا شکار ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کافر اِس قسم کی ہنسی کرتے رہے:۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا (الانبیاء:۳۶)	اور جب کافر تمہیں دیکھتے ہیں تو تمہیں نہیں ٹھہراتے مگر ٹھٹھا۔

شانِ نزول:

ابوجہل جب حضور علیہ السلام کو دیکھتا تو ہنسا کرتا تھا، دوسری آیت میں اس کی تاریخ و تحریک بیان کی گئی:

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ (الانبیاء : ۴۰)	اور بے شک تم سے اگلے رسولوں کے ساتھ ٹھٹھا کیا گیا تو مسخرگی کرنے والوں کا ٹھٹھا انہیں کو لے بیٹھا۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے کہ اے محبوب! آپ ان کمینوں کی کمینگی پر دِل تنگ نہ ہوں، گذشتہ کفار بھی انبیاءِ کرام علیہم السلام کے عذاب کی خبروں پر مذاق اڑاتے تھے، اچانک ان پر وہ عذاب آجاتے تھے، یہی حال ان مذاق اڑانے والوں کا ہوگا:۔

قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَیَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ۝ (البقرہ : ۱۳-۱۵)	تو کہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو یونہی ہنسی کرتے تھے۔ اللہ ان سے استہزاء فرماتا ہے (جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے) اور انہیں ڈھیل دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ کافر، منافق اور ان کے تمہارے نمائندے اسلام کے حق ہونے میں بھٹکتے پھر رہے ہیں، ان کو حیرانی ہے کہ اسلام اور مسلمان کیسے ترقی کئے جا رہے ہیں، کافر و منافق کے مقابلہ میں مسلمان کو قلبی سکون حاصل ہے اور یہی حیاتِ طیبہ والے بھی ہیں

ان آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ کافر، منافق اور ان کے نمائندے انبیاءِ کرام علیہم السلام اور ان کے ماننے والے اہلِ ایمان، عشق و محبت، اطاعت کرنے والے مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ سے گستاخی اور ہنسی کرتے رہے ہیں اور آج بھی مسلمانوں کو ناکام اور گرانے کی بین الاقوامی کوششیں ہو رہی ہیں۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ہنسی، مذاق و بے ادبی، تذلیل و تحقیر بے ایمانوں کا شیوہ ہے، یہ ان کی تاریخ ہے اور تحریک بھی ہے جو مسلسل چلی آ رہی ہے، عصرِ حاضر میں بھی کئی رنگوں میں بے دینوں کے وارث پائے جاتے ہیں جو اپنی پوری کوششوں اور مالی، فنی اور

صحافتی قوتوں کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہے ہیں اور کمزور مسلمانوں کو خرید لیا جاتا ہے۔ انفرادی واجتماعی سطح پر بھی اور اسلامی ممالک کی سطح پر بھی اور بین الاقوامی سطح پر بھی مسلمانوں کو سیاسی وغیر سیاسی ہر میدان میں خرید رہے ہیں مسلمانوں کو غیر مسلموں سے نہ پہلے کہیں خطرہ رہا اور نہ آئندہ کوئی ناقابلِ مقابلہ خطرہ رہے گا لیکن خطرہ ونقصان ہمیشہ مسلمانوں کو مسلمانوں سے پہنچتا رہا، ان کے باہمی تصادم واختلافات، سیاسی وغیر سیاسی بعض کے نفسانی خواہش پرستی اور اقتدار پرستی نے مسلمانوں کو مفلوج ومغلوب ومرعوب کر رکھا ہے مسلمان جب کبھی سچائی کے ساتھ متحد ہوئے تو فتح ونصرتِ خداوندی نے ان کا استقبال کیا ہے اور اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں کے مشاہدے ہوتے رہے، مسلمانوں کے انتشار نے یہ ایسے اور مشکلات پیدا کئے کہ اپنے ملکوں کو غلامی میں دیتے رہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اہانت اور گستاخیاں اسلام دشمنوں کی طرف سے ہوتی رہیں۔

مسلمان مذہبی رہنماؤں کے نام ضروری اپیل

اسلام آخری دین ہے، اسلام انسانی حاجتوں کا جامع پروگرام ہے، اسلام عالمی امن وسلامتی کا عملی رہنما دستور ہے، اسلام نور ہے ہدایت ہے، نجاتِ اخروی کا ضامن ہے، ہر کمال اسلام میں موجود ہے۔ مسلمان کی عمدہ حیات اسلام سے وابستہ ہے بلکہ مسلمانوں کی بقا بھی اسلام کی رہینِ منت ہے۔

جب یہ حقیقت ہے تو مسلمان رہنماؤں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے تمام مسائل ومشکلات اور باہمی تنازعے قرآن وسنت کی روشنی میں حل کریں، یہی قرآن کا قانون ہے اِذَا تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔

اِس قانون کی موجودگی میں مسلمانوں کے باہمی مذہبی وسیاسی تمام باہمی نزاع کو

باہمی مجالس و کانفرنسوں کے ذریعے بالکل ختم کر دیں یا کم کر دیں تاکہ وحدتِ امتِ مسلمہ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکے اور ایک بار پھر عرب وعجم کی امتِ مسلمہ اتحاد کے ذریعے دنیا بھر میں قوت بن کر اسلام کی عظمتوں اور صداقتوں کا بول بالا کر دیں اور حقیقی امن عالم کی عملاً ضمانت دیں اور پوری زمین پر بھٹکی ہوئی انسانیت کی قیادت کریں اور اس اہم کام کو اسلامی تنظیم کی کانفرنس انجام دے سکتی ہے بشرطیکہ اسلامی تنظیم کو صحیح معنوں میں بااختیار، فعال اور پروقار وطاقتور بنایا جائے۔ اس تنظیم کے تحت اسلام کے ماننے والے سنی شیعہ کے اندر اصولی اختلافات کو بھی ختم کیا جائے، اس کے بعد ان کے مذہبی رہنماؤں کو اتحاد وتنظیم کی خاطر ضوابط کے تحت باضابطہ پابند کیا جائے تاکہ مذہبی اشتعال پیدا نہ کریں، ایسے ہی سنی فرقوں اور جماعتوں کے اندر اصولی وفروعی نزاعوں کو شرعی دلائل کی روشنی میں حل کیا جائے اور وہ تمام عبارات جو صریح وغیر صریح طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ کریم علیہ السلام کی شان میں اہانت و گستاخی کے مفاہیم پر دلالت کرتی ہوں ان سب کو اپنے اپنے رسائل وکتابوں سے بالکل نکال دئے جائیں تاکہ ایسی کوئی تحریر باقی نہ رہے جو قرآن وسنت سے ٹکراتی ہو اور توہین و تضعیف کے مذموم معانی پیدا کرتی ہو اور ایسے مذہبی پیشواؤں کی لغزشوں کو درست ثابت کرنے کے لئے مذہبی سرٹیفکیٹ جاری کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین وناراضگی کو مول لینا اس کی اجازت قرآن وسنت کے قوانین میں اور صحابہ کرام اور اہلِ بیتِ عظام علیہم الرضوان کی سیرتِ مبارکہ میں کہیں نہیں ملتی ہے ؎

مصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

نفسانی خواہشات کی اتباع کرنا اور فرقہ واریت کو ہوا دینا اشتعال دینا اسلام کی کوئی خدمت نہیں ہے، صرف اسلام کی احیاء کے لئے اپنی تمام توانائیوں اور علم وفضل کو وقف کیا جائے اور ہر موضوع وتحقیق کو مثبت انداز سے پیش کیا جائے اور موعظتِ حسنہ قرآنی طریقۂ تبلیغ کو

اختیار کیا جائے اور منفی و جارحانہ تحریر و تقریر سے مکمل اجتناب کیا جائے، اِس وقت مقابلہ مسلمانوں کے اندر نہیں ہے بلکہ دنیا بھر میں اسلام کو غیر اسلام کے چیلنج کا سامنا ہے، اسلام سربلند و زندہ رہے گا تو مسلمان بھی باوقار طور پر زندہ ہوں گے ورنہ مسلمان کی حیات ذلّت کی موت سے بدتر ہوگی، وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا پر عمل اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ مسلمان اسلام کے اصولوں اور بنیادی عقائد پر جمع ہوں اور فروعی مسائل کے اختلافات کو کم سے کم کریں اور تمام مسائل و مشکلات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و ادب میں ڈوب کر قرآن و سنت کی روشنی میں حل کریں تب کہیں سلیمان رشدی جیسے اسلام دشمنوں کا مقابلہ و دفاع ہو سکے گا اور اگر ناروا فتووں کے تیروں سے مسلمانوں کو ہی نشانہ بناتے رہیں تو پھر اس سے اسلام کے دشمنوں ہی کو تقویت ملے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام دشمنوں کے مذموم عزائم کا دفاع ہمارا مذہبی فریضہ ہے، اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و تعظیم و اطاعت ہمارے ایمان کی جان ہے،

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

در دلِ مسلم مقامِ مصطفےٰ است
آبروئے ما ز نامِ مصطفےٰ است

وما توفیقی الا باللہ العلام

مفتی محمد گل رحمٰن
برمنگھم

۱۴ رمضان ۱۴۱۲ھ
۸ مارچ ۱۹۹۲ء

اظہارِ رائے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمدللہ وکفٰی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی۔

فتنۂ ارتداد کے متعلق ابتدائے اسلام سے ہی سزا کی تعیین ہو چکی تھی، سیّدِ کل علیہ السلام کی شانِ اقدس میں گستاخی ارتداد کی بدترین صورت ہے لہٰذا اس کی سزا قتل ہی رہی ہے، قرآن و سنت نے واضح احکام سے ایسے گستاخوں کی سزا کا اعلان فرمایا ہے۔

فقہائے امت ـــــ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی وغیرہم ـــــ نے بیک زبان ارتداد اور گستاخیٔ رسول کی سزا موت ہی کہی ہے۔ اندازِ استدلال میں اختلاف فطری بات ہے مگر مقصد میں کوئی اختلاف نہیں اور مقصد ایسے نابکار کا قتل ہے۔

دورِ جدید ـــــ جاہلیتِ جدیدہ ـــــ نے آزادیٔ افکار کی آڑ میں ہادیٔ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف ایسی ہفوات کو جائز قرار دینے کی کوشش کی، ان کا مقصد اہلِ ایمان کے سینوں سے ایمان کی حرارت کو ختم کرنا تھا اور یہ سلسلہ مغربی ملکوں میں عرصۂ دراز سے جاری ہے مشرقی ملکوں میں ان کی معنوی اولاد نے بھی ان کے استدلال کو صحیح ثابت کرنے کی کوششیں کی ہیں اور جن مشرقی ممالک میں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں انہیں ایذاء دینے کے لئے یہ مکروہ دھندا پوری قوت سے چلایا گیا ہے۔

مشرقی ملکوں میں ایسی ہر خباثت کے پیچھے ہنود ہوتے ہیں اور اب ان کی تائید یہود کرتے ہیں۔ علومِ جدیدہ کے کچھ نام نہاد مسلمان فضلاء بھی رجعت پسندی کے طعنے سے بچنے کے لئے ان کی ہاں میں ہاں ملاکر اپنی علمی عظمت کا بزعمِ خویش سکہ بٹھانے کی مکروہ کوشش کرتے ہیں، اس سارے شیطانی اجماع کو عام مسلمانوں کا ذہن کبھی بھی قبول نہیں کرسکا۔

ردِ عمل کے طور پر مسلمان مجاہدوں نے ایسے گستاخوں کے سر ہمیشہ نوچ لئے ہیں

اور ان کی زبانیں کھینچ لی ہیں۔ کبھی یہ کام غازی علم الدین شہید نے کیا ہے تو کبھی غازی دوست محمد
اور غازی منیر احمد آگے بڑھے ہیں، کبھی ملک میاں محمد نے یہ فریضہ سرانجام دیا ہے۔

دورِ جدید کے مکروہ عمل کا یہ حسین ردِ عمل نیا نہیں ہے جسے کچھ "مفکر" محض
جذباتیت کی آڑ میں چھپانا چاہتے ہیں، یہ حسین ردِ عمل تو دورِ نبوی میں شروع ہو چکا تھا۔ کعب
بن اشرف اور اس کے ہمنواؤں کے مکروہ عمل کا حسین ردِ عمل وہی تھا جو صحابہ کرام نے
عملاً دیا جس کی گواہ احادیث کی سب کتابیں ہیں۔

ہمارے محدثینِ کرام نے کمال دیانتداری سے سب احادیث من وعن ہم تک
پہنچائی ہیں اور گستاخوں کی مکروہ چیخیں ہم نے ردِ عمل کے طور پر سنی ہیں۔ کیا اخلاق کی ابجد سے
واقف کوئی شخص بھی یہ جرأت کر سکتا ہے کہ کروڑہا انسانوں کے ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس
کو نفاق سے نشانہ بنایا جائے اور پھر ردِ عمل سے بچا جا سکے۔

دورِ حاضر کے سب سے بڑے مفتری، کذاب اور گستاخ کی سزا بدترین قسم کی موت
ہے مگر وہ ایک ارب مسلمانوں کے دل دکھانے کی وجہ سے مغربی استعمار اور یہودی استکبار کی
آنکھوں کا تارا بن گیا ہے، انگریز اسے جسمانی تحفظ دے رہا ہے تو سارا مغرب بش سمیت آزادیٔ
فکر کے حوالہ سے اسی کا حامی بنا ہوا ہے۔ یہودی اسے "روحانی غذا" دینے میں مصروف ہیں اور
ہندو مغرب کا ہمنوا ہو کر اسلام دشمنی کا ثبوت دے رہا ہے۔

ایک ارب مسلمان تڑپ رہے ہیں کہ جیبال ملعون تک ابھی کیوں رشدی نہیں
پہنچ پایا۔ انگریز پولیس رشدی کو پالتو کتے کی طرح اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے مگر گستاخِ
رسول پر جو تیر مسلمانوں نے اس کے لئے تیار کیا ہوا ہے وہ انشاء اللہ ضرور ان سب تحفظات کی
دبیز تہوں اور موٹی دیواروں کو چیرتا اس خبیث جگر سے پار ہو گا جس میں بغضِ رسول (صلی اللہ علیہ
وسلم) کا لاوا ابل رہا ہے۔

حضرت علامہ مولانا محمد گل رحمٰن مدظلہ العالی مسلمانوں کی ترجمانی کے لئے میدانِ تصنیف و
تالیف میں اترے ہیں، حضرت مولانا ایک منجھے ہوئے خطیب اور علومِ اسلامیہ کے زبردست عالم
ہیں، وہ مایۂ ناز استاد ہیں، فنونِ اسلامیہ پڑھاتے ان کی زندگی گزری ہے، ان کا سینہ عشقِ رسول
علیہ السلام کی بہاروں کا امین ہے۔ سرکار علیہ السلام کا دفاع کرتے ان کی زندگی گزری ہے۔

اب تو وہ خود بھی انگلینڈ میں مقیم ہیں جہاں سے یہ فتنہ ابھرا ہے، وہ شیطان
رشدی اور اس کی "حرکاتِ مذبوحہ" کے عینی شاہد ہیں، انہوں نے دلائل کی شکل میں مسلمانوں
کو ایک تیز تلوار اپنی کتاب کے ذریعہ پیش کرنے کی بڑی مبارک اور کامیاب کوشش
فرمائی ہے۔

حضرت مولانا ممدوح سنی حنفی ہیں لہٰذا ان کا استدلال خالص حنفی اندازِ فکر
لئے ہوئے ہے اور کون نہیں جانتا کہ حنفی مکتبِ فکر تحقیق و تدقیق میں ساری امت میں ایک
منفرد مقام رکھتا ہے۔

پھر وہ سیدِ کائنات علیہ اکمل التحیات والصلوات کی درگاہِ انسانیت پناہ میں یہ
مقدمہ لے کر پیش ہوئے ہیں اور ارشاداتِ رسالت سے اپنے سامعین کے ایمان کی تازگی کا
سامان لائے ہیں، ارشاداتِ نبوی کو صحابہ کرام نے سب سے پہلے عملی جامہ پہنایا۔ کعب بن
اشرف اور اس کے ہمنواؤں کے لاشے ہمیں خاک و خون میں تڑپتے نظر آتے ہیں، ان کی مکروہ
چیخیں مدینہ کی فضاؤں میں بکھرتی سُنی گئی ہیں اور پوری فضاؤں میں مسلمانوں کی واہ وا کی
مسرت انگیز صدائیں بھی سنی گئی ہیں۔

انہی فرمودات خدا اور ارشاداتِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے انوار کو فقہائے امت
نے قانونی شکل دی ہے، اس قانونی ارتقاء کے سارے مراحل میں امت کے سارے سلاسل
کے فقہاء نے گستاخیٔ رسول کو ناقابلِ معافی جرم قرار دیتے ہوئے ایسے جرم کے مرتکب انسانیت کے
ماتھے کے کلنک نابکار کو موت کے ذریعے جہنم کی سیر کرانے کا فرمان دیا ہے۔

ہمارے علامہ دوست نے ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین کی آراء نقل کرنے میں اپنی فنی مہارت اور استاذانہ قابلیت کا بھرپور مظاہرہ فرمایا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ کتاب "خاصے کی شے" ہے، اسے جلد از جلد عالمِ اسلام میں پھیل جانا چاہئے تاکہ تشکیک کا شکار لوگ بھی اس سے استفادہ کریں اور کم علم دوست اس کے دلائل کو پاکر مطمئن ہوجائیں۔

مولانا ممدوح نے قرآن وسنت اور مجتہدین کی آراء کے ساتھ ساتھ کئی سوالات کے جو جوابات عطا فرمائے ہیں وہ بذاتِ خود اپنے اندر شانِ اجتہاد لئے ہوئے ہیں، یہ مولانا کے علمی تبحر کا شاندار اظہار ہے۔

حضرت مولانا ایک اچھے خطیب، اچھے استاد، جامع العلوم مدرس تو تھے ہی، اب انہیں ایک اچھا مصنف ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہوگیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ وہ اپنی علمی نُدرت فکری اور تحقیقی اندازِ استدلال سے قوم کی دستگیری فرماتے ہوئے کئی اور کتابیں بھی تحریر فرماکر مسلمانوں کی دستگیری فرمائیں گے۔

فقیر سیّد محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی،

راولپنڈی

پرنسپل انوار القرآن مولوی محلہ صدر راولپنڈی۔

۲۹ رمضان ۱۴۱۱ھ

سوموار ۱۵ اپریل ۱۹۹۱ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اسلام میں ضروری عقائد کی اہمیّت اور حکم

اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا فرمایا ہے اور بغیر کسی سابقہ مادہ، مثال و نمونہ کے ابتداء ہی سے جو جو چاہا پیدا فرما دیا اور آئندہ بھی اسی طرح جو چاہے گا، ارادہ فرماتے ہوئے پیدا کر دے گا، قرآن پاک میں اس کا اعلان ہے:

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ (بقرہ: ۱۱۷)

"نیا پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا اور جب کسی بات کا حکم فرماتے تو اس سے یہی فرماتا ہے کہ ہوجا، وہ فوراً ہوجاتی ہے۔"

اللہ نے ہر چیز کو وجود بخشا ہے اور وہی پیدا کرنے والا، ہر شے کو پوری طرح جانتا ہے، ظاہر و باطن، آغاز و انجام، کمال و نقصان سب کچھ جانتا ہے کیونکہ جو ذاتِ کاملہ ابتداء ہی سے ہر شے کو عدم کے اندھیروں سے نکال کر وجود کی روشنیوں میں لانے والی ہے وہی بے مثل ذات حقیقی تربیت اور نگہبانی بھی فرماتی ہے، ارشادِ قرآنِ مجید ہے:-

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (الانعام: ۱۰۲)

"اور پیدا فرمایا ہے اس نے ہر چیز کو اور وہ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔"

مزید ارشاد فرمایا:

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ (الانعام: ۱۰۳)

"یہ اللہ ہے (جو) تمہارا پروردگار ہے، نہیں کوئی معبود سوائے اس کے پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا۔ پس عبادت کرو اس کی اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔"

اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا مالک حقیقی ہے، زمین و آسمان اور ان میں خاکی، ناری و نوری، بے جان اور جاندار، بے شعور اور باشعور جو کچھ بھی اللہ کے سوا ہے وہ سب کچھ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ملکیت ہے، سب اس کے بندے اور سب اس کے حکم کے پابند ہیں، ہر چیز اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے، ارشادِ ربانی ہے:۔

لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْہِنَّ ط وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (المائدہ : ۱۲۰)

"اللہ ہی کے لئے ہے سب بادشاہی سب آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان میں ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔"

مطالبۂ ایمان و عبادت

جب یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تنہا و یکتا ہمارا حقیقی مالک و خالق ہے اور وہی موت و حیات دینے والا ہے، ارشادِ ربانی ہے:۔

ھُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ۔ وہی خدا پیدا فرماتا ہے اور وہی مارتا ہے۔

اور ہماری ابتداء و انتہاء اپنے خداوند کریم کے ہاں سے ہے، کسی دوسری ہستی کے ہاں سے نہ کسی کو وجود و کمال ملا ہے اور نہ ہی اللہ تعالےٰ کے سوا ہمارا کوئی مرکز رجوع ہے قرآن پاک میں وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ "اور اللہ ہی کے ہاں ٹھکانا ہے" تو اس بنا پر اللہ تعالےٰ تمام انسانوں کو ایمان و عبادت کا حکم دیتا ہے کیونکہ صرف وہی عبادت کے

لائق و مستحق ہے تو ارشاد فرمایا:۔

یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (بقرہ : ۲۱)

"اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔"

چونکہ عبادت ایمان پر موقوف ہوتی ہے اور ایمان عبادت پر مقدم ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ ایمان لاکر عبادت کرو گویا اللہ تعالےٰ پوری انسانیت سے ایمان کا مطالبہ کرتا ہے اور اسلام کے بنیادی مقاصد، توحید، صداقتِ قرآن اور حقانیتِ نبوت وغیرہ پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے۔

اسلام چونکہ عالمگیر دین ہے اس لئے تمام انسانوں کو خطاب فرمایا اور ایمان و عبادت کا سب کو پابند و مامور فرمایا

ایمان محبوب ہے کفر مردود ہے

اللہ پاک کے ہاں ایمان محبوب و پسندیدہ ہے اور ایمان کو اہلِ ایمان کے لئے اللہ نے حسین و جمیل بنا دیا ہے اور ایمان کی ضد و مقابل کفر کو ناپسندیدہ و قابلِ نفرت بنایا ہے۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالےٰ ہے:

وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ط اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَنِعْمَۃً ط وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۝ (الحجرات : ۸)

"لیکن اللہ تعالیٰ نے محبوب بنا دیا ہے تمہارے لئے ایمان کو آراستہ کر دیا ہے اسے تمہارے دلوں میں اور قابلِ نفرت بنا دیا ہے تمہارے لئے

کفر، فسق اور نافرمانی کو، یہی لوگ راہِ حق پر ثابت قدم ہیں (یہ سب کچھ) محض اللہ کا فضل اور انعام ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔"

صاف واضح ہے کہ ایمان اللہ تعالیٰ کو محبوب و مقبول ہے اور کفر اللہ کے ہاں مبغوض و نامقبول ہے اور صحابۂ کرام، اہلبیتِ عظام و ازواجِ مطہرات علیہم الرضوان کی نگاہوں میں ایمان کو محبوب و حسین و جمیل اللہ تعالیٰ نے بنا دیا تھا اور کفر و فسق و عصیان کو ان کے ہاں مکروہ و ناپسند فرما دیا تھا اور یہ صرف فضل و توفیقِ الٰہی کا نتیجہ تھا ورنہ بندہ بذاتِ خود اس مرتبہ کو حاصل نہیں کر سکتا ہے اور ایمان پر استقامت اور کفر سے نفرت احسانِ خداوندی کی انتہا ہے اسی لئے اس مرتبہ کو فضل و نعمت قرار دیا گیا۔

ایمان ایک ایسی حقیقت ہے جس کی بدولت دنیا میں حیاتِ طیبہ، پاکیزہ زندگی نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں جنت اور جنت کی نعمتیں اور پھر جنت میں بھی حیاتِ ابدی ملے گی، اس سے بڑھ کر انسان کے لئے بڑا اعزاز و اکرام اور کیا ہو سکتا ہے۔ قرآنِ پاک اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے :-

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝ (الطلاق : ۱۱)

" اور جو اللہ پر ایمان لائے اور اچھا کام کرے وہ اسے باغوں (جنتوں) میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں، بے شک اللہ نے اس کے لئے اچھی روزی رکھی۔"

اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو ایمان پر استقامت، ثابت قدم رہنے کا حکم دیتا ہے اس لئے کہ ایمان لانے کے بعد ایک مومن کو اپنا ایمان بچانا ضروری ہو جاتا ہے اور اسلام و ایمان کے خلاف جتنی متصادم قوتیں ہوں ان سب کا مقابلہ بھی کرنا پڑ جاتا ہے اور یہ مقابلہ ایمان پر ثابت قدمی

سے انجام پذیر ہو سکتا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر اہلِ ایمان کامل ایمان بھی ہو جاتا ہے اور قابلِ نصرت بھی ہو جاتا ہے۔ قرآنِ پاک میں ہے :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ (النساء : ۱۳۶)

" اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل فرمائی ہے اللہ نے اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی اس سے پہلے۔"

اللہ تعالیٰ اسلام میں اہلِ ایمان کو پورا پورا داخل ہونے اور مکمل طور پر اسلام میں ہمیشہ کے لئے رہنے کا حکم دیتا ہے، ایسا نہ ہو کہ ایمان لانے کے بعد کفر و ارتداد میں نہ گر پڑیں جس کا بدترین انجام دنیا و آخرت میں اٹھانا پڑے، ارشادِ ربانی ہوتا ہے :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً (البقرہ : ۲۰۸)

اے ایمان والو! داخل ہو اسلام میں پورے پورے"

وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (البقرہ : ۲۰۸)

اور نہ چلو شیطان کے قدم پر بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

یعنی اسلام کو غیر مشروط طور پر اطاعت و تسلیم کے لئے اختیار کرو کیونکہ اسلام دینِ مستقل ضابطۂ حیات اور مکمل دستور العمل ہے، اسلام کے اپنے عقائد اور اصول ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ضروری قرار دئے ہیں، ان میں انکار و ترمیم کی گنجائش کسی فرد، جماعت اور اسلامی ریاست کو بھی حاصل نہیں ہے :-

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۔ بے شک دین اللہ کے نزدیک صرف

"اسلام ہی ہے۔" (آل عمران : ۱۹)

اسلام کے عقائدِ ضروریہ وہی ہیں جن کی تبلیغ سابقہ انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو فرماتے رہے۔ چونکہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کا سلسلہ ہمارے نبی کریم حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم فرما دیا گیا۔ اب آپ کے بعد نئی نبوت و رسالت اور نئی شریعت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے اور اسلام تمام خوبیوں کا عالمگیر دین بن کر قیامت تک قائم رہے گا۔

اسلام صرف چند عبادتوں کا نام نہیں بلکہ عبادت، عقائد، معاملات اور سیاسیات وغیرہ کا جامع دستور ہے اور موجودہ دور میں اسلام حکومتِ اسلامی کی صورت میں بھی نافذ العمل رہے۔ اسلام میں سیاست اور مذہب دو الگ راستے اور دو جداگانہ مقاصد نہیں ہیں بلکہ مذہب و سیاست دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ اسلام فرد و جماعت اور حاکم و محکوم کی اصلاح کرتا ہے اور قیامت کے دن فلاح و نجات کی ضمانت دیتا ہے۔

دینِ اسلام میں ایمان کے چند بنیادی اجزاء ہیں

اجزائے ایمان جن پر ایمان لائے بغیر کوئی انسان اہلِ ایمان نہیں ہو سکتا ہے اور ایسے ہی سابقہ انبیاءِ کرام علیہم السلام میں سے کسی ایک کا انکار سب نبیوں کا انکار ہوتا ہے، فرق و امتیاز انبیاءِ کرام علیہم السلام کے درمیان نفسِ نبوت و رسالت کے اعتبار سے کرنا اسلام اس کو رد کرتا ہے ہاں مراتب و عمومِ رسالت اور خصوصیات کے اعتبار سے افضلیت کے پہلو ملحوظ ہیں لیکن اسلام میں ایمان کے چند ایسے اجزاء ہیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے جیسے اللہ تعالیٰ، ملائکہ، تمام آسمانی کتابیں، تمام رسولوں پر بلا انتشار ایمان لانا اور قیامت پر یقین رکھنا اور تقدیر پر ایمان رکھنا، یہ سب ضروریاتِ دین ہیں۔ قرآن پاک کی

اس آیہ کریمہ میں ضروریاتِ دین کے چند امور اجمالاً ذکر ہوئے ہیں :-

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ قف لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ قف (البقرة : ۲۸۵)

"ایمان لایا یہ رسول (کریم) اس (کتاب) پر اتاری گئی اس کی طرف اس کے رب کی طرف سے اور (ایمان لائے) مومن یہ سب دل سے مانتے ہیں اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو نیز یہ کہتے ہیں) ہم فرق نہیں کرتے کسی میں اس کے رسولوں سے۔"

ایمان کے یہ ضروری امور مشہور حدیث جبریل علیہ السلام میں بھی آئے ہیں:-

قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ

متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ شریف، کتاب الایمان)

"عرض کیا (حضرت جبریل علیہ السلام نے) کہ مجھے ایمان کے متعلق بتائیے فرمایا کہ اللہ اور اس کے فرشتوں، کتابوں، اس کے رسولوں اور آخری دن کو مانو اور اچھی بری تقدیر کو مانو۔"

یہ مذکورہ عقائد ضروریاتِ دین ہیں، ان پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا ہے ان میں سب کو بغیر کسی ایک کے مانتے ہوئے بھی مسلمان نہیں ہو سکتا، ان میں کسی ایک کا انکار سب کا انکار تصور ہوگا۔ ایمان کے ضروری دینی امور میں کسی قسم کی تفریق و ترمیم باطل اور کفر ہے :-

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ

يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (البقرہ: ۸۵)

"تو کیا تم ایمان لاتے ہو کتاب کے کچھ حصہ پر اور انکار کرتے ہو کچھ حصہ کا ، (تم خود ہی کہو) کیا سزا ہے ایسے نابکار کی تم میں سے سوائے اس کے کہ رسوائی ہے دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن تو انہیں پھینک دیا جائے گا سخت ترین عذاب میں اور اللہ بے خبر نہیں ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو۔"

ضروریاتِ دین میں تفریق کفر ہے

ایمان سے متعلق ضروریاتِ دین میں تفریق کفر ہے مثلاً اللہ کو تو مان لیا جائے اور رسولوں کا انکار کیا جائے یا رسولوں (علیہم السلام) کی اہانت و گستاخی کی جائے تو اس کو قرآنِ مجید نے صراحۃً کفر قرار دیا ہے :

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ (النساء : ۴)

"بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور چاہتے ہیں کہ فرق کریں اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان اور کہتے ہیں ہم ایمان لاتے ہیں بعض رسولوں پر اور ہم کفر کرتے ہیں بعض کے ساتھ اور چاہتے ہیں کہ اختیار کرلیں کفر و ایمان کے درمیان کوئی (تیسری) راہ یہی لوگ کافر ہیں حقیقت میں اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لئے عذاب رسوا کرنے والا۔"

اس صراحت سے واضح ہو گیا کہ اہلِ ایمان کا یہ عقیدہ قطعی ہے کہ تمام ضروریات

دین کی تصدیق و تسلیم سے انسان مومن و مسلمان بن سکتا ہے جو اس نصِ قرآن کی صراحت سے ثابت ہے اور کسی ایک ضروری عقیدہ کے انکار و تفریق سے کفر واقع ہو جاتا ہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ و رسول کو ملانا ایمان بلکہ ایمان کی جان ہے اور اللہ اور رسول کو الگ کرنا کفر کی جان ہے یعنی سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ایک پیغمبر کا انکار یا اہانت کرنا ویسے ہی کفر ہے جیسے سارے پیغمبروں کا انکار و اہانت کفر ہے، ایسے ہی تمام پیغمبروں اور آسمانی کتابوں اور فرشتوں اور آخرت کا انکار و اہانت کفر ہے اور ان ضروریاتِ دینیہ کو بلا استثناء دل سے ماننے کا نام ایمان و ایقان ہے :-

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء : ۱۵۲)

"اور جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ اور اس کے (تمام) رسولوں کے ساتھ اور نہیں فرق کیا انہوں نے کسی میں ان سے یہی لوگ ہیں کہ دے گا انہیں اللہ تعالیٰ ان کے اجر اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔"

اس سے صریحاً ثابت ہوا کہ ایمان والے اللہ اور تمام رسولوں پر ایمان لانے میں فرق و امتیاز نہیں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفاتِ کاملہ پر اور تمام رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور انہیں اس کا اجرِ عظیم ملے گا :-

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (البقرہ: ۸۴)

"نہیں فرق کرتے ہم کسی کے درمیان ان (نبیوں) میں سے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔"

ان آیاتِ محکمہ مبارکہ سے واضح ہو گیا کہ ایمان تمام ضروریاتِ دین کے ماننے کا نام ہے اور ان ضروریاتِ دینیہ میں سے کسی ایک کا انکار سب کا انکار ہے اور یہ انکار

کفروارتداد ہے۔

آیۂ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِهٖ کے تحت مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ یہ عدمِ تفریق نبوت ورسالت کی حیثیت سے ہے، دوسری حیثیات ومراتب وخصوصیات کے لحاظ سے نہیں ہے۔ اس آیت کے تحت روح المعانی پارہ ۳ میں ہے:۔

لِاَنَّ الْمُعْتَبَرَةَ عَدَمُ تَفْرِیْقِ الرِّسَالَةِ دُوْنَ الْحَیْثِیَّاتِ اھ

بَلْ مَعْنَی الْاٰیَةِ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ غَیْرِهٖ فِی النُّبُوَّةِ۔

تفسیر کبیر ج ۲ صفحہ ۵۶۹ میں ہے:۔

لِاَنَّ الْمُعْتَبَرَةَ عَدَمُ التَّفْرِیْقِ مِنْ حَیْثُ الرِّسَالَةِ دُوْنَ سَائِرِ الْحَیْثِیَّاتِ الْخَاصَّةِ اھ (تفسیر ابو السعود)

لہٰذا انبیاءِ کرام، رسلِ عظام علیہم السلام کی نفسِ نبوت ورسالت میں کوئی فرق ہے اور نہ ہی کسی ایک نبی کو ذاتی نبی اور دوسرے نبی کو عرضی نبی کا فرق کرنا جائز ہے بلکہ سب نبیوں رسولوں پر بغیر کسی تفریق کے ایمان لانا ضروریاتِ دین سے ہے، ذاتی وعرضی کا فرق باطل ہے، مراتب وخصوصیات کی زیادتی کا امتیاز باعثِ فضیلت وافضلیت جائز ہے:۔

اَلْخَامِسُ اَنَّهٗ نَهٰی عَنِ التَّفْضِیْلِ فِیْ نَفْسِ النُّبُوَّةِ لَا فِیْ ذَوَاتِ الْاَنْبِیَآءِ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ وَ عُمُوْمِ رِسَالَتِهِمْ وَ زِیَادَةِ خِصَالِهِمْ وَقَدْ قَالَ تَعَالٰی تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔

(عینی ج ۶ تحت باب الخصومات، یونہی فتح الباری ج ۶ ص ۳۴۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفسِ نبوت میں فضیلت دینے سے منع فرمایا، ذواتِ انبیاء علیہم السلام اور ان کے درمیان بلحاظ ان کی خصوصیات کی زیادتی کے ایک دوسرے سے فضلیت منع نہیں ہے کیونکہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا " یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک دوسرے

پر افضل کیا۔"

حقیقتِ ایمان

هُوَ التَّصْدِیْقُ بِمَا جَآءَ بِهِ الرَّسُوْلُ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ تَعَالٰی اَیْ تَصْدِیْقُ النَّبِیِّ بِالْقَلْبِ فِیْ جَمِیْعِ عُلِمَ بِالضَّرُوْرَةِ مَجِیْئُهٗ بِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِجْمَالًا۔ (شرح عقائد)

" ایمان ان امور کی تصدیق کا نام ہے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے آئے یعنی اجمالی طور پر حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی دل سے تصدیق کرنا ہر اُس چیز میں جو آپ اللہ کی طرف سے لائے جس کا ثبوت آپ سے قطعی طور پر ہو"

شریعتِ اسلامیہ کے عرف میں ایمان وہ سب کچھ تسلیم کر لینے اور اس پر اعتقاد ویقین کر لینے سے عبارت ہے جسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ سے لائے اور اس کے بندوں کو پہنچایا اور جس کا خدا تعالیٰ کی طرف سے لانا یقین کے ساتھ معلوم ہو چکا ہو، یہ تسلیم واعتقاد اجمالی طور پر ہو یا یہ اعتقاد وتسلیم تفصیلی طور پر ہو۔

یاد رہے کہ صرف اتنا جاننا یا یقین کرنا اور حق کو پہچان لینا مومن ہونے کے لئے کافی نہیں ہے جب تک کہ مرتبۂ تصدیق تک (جس سے مراد یہاں یقین وتسلیم ہے) نہ مانا جائے ورنہ یہود وغیرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ونبوت کو اور آپ کے نبی و رسول ہونے کو اچھی طرح جانتے تھے اس کے باوجود وہ ایمان کی تعریف سے خارج تھے، قرآنِ حکیم میں فرمایا:۔

جَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ (سورہ نمل: ۱۴)

" اور ان کے منکر ہوئے اور ان کے دلوں میں ان کا یقین تھا"

معلوم ہوا کہ نبی کی صداقت پر یقین کر لینا کافی نہیں بلکہ تصدیق قلبی کے ساتھ ساتھ

تسلیم بھی کریں اور زبان سے جحد وانکار بھی نہ کریں بلکہ بوقتِ ضرورت ایمان کا زبان سے اقرار بھی کریں تاکہ اسلام وایمان کے احکام جاری ہو سکیں۔

قرآن پاک میں دوسری جگہ فرمایا :۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ۔

(البقرہ : ۱۴۶)

" جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ اس نبی کو پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے "۔

لہٰذا نبی کی پہچان ایمان نہیں بلکہ حضور کو ماننا ایمان ہے، جاننے اور ماننے میں فرق ہے جیسے باپ اپنے بیٹے کو دلائل سے جانتا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے، ایسے ہی کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے مثل کمالات و معجزات کے ذریعے جانتے ہیں کہ یہ سچے رسول ہیں لیکن حسد کی وجہ سے مانتے نہیں ہیں۔

معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قلبی تصدیق و تسلیم اور زبانی اقرار کے ساتھ ماننے کا نام ایمان ہے بشرطیکہ اس کے باوجود شریعت میں جو چیزیں علامات کفر ہیں ان کا ارتکاب بھی نہ کیا جائے جیسے بتوں کو سجدہ کرنا اور گلے میں زنّار باندھنا ورنہ ایمان کے خلاف ارتکاب ہوگا۔ (ملاحظہ کریں اشعۃ اللمعات، کتاب الایمان)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تمام چیزوں پر یقینِ محکم رکھنے کا نام ایمان ہے۔

امام علامہ ابوجعفر بن محمد بن سلامۃ الازدی الطحاوی المصری الحنفی (المتوفی ۳۲۱ھ) اپنی کتاب عقیدۃ اہل السنۃ والجماعۃ میں ایمان کو بیان فرماتے ہیں :۔

وَالْاِیْمَانُ ھُوَ الْاِقْرَارُ بِاللِّسَانِ وَالتَّصْدِیْقُ بِالْجَنَانِ
وَاَنَّ جَمِیْعَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ وَجَمِیْعَ مَا صَحَّ

عَنْ رَّسُوْلِهٖ مِنَ الشَّرْعِ وَالْبَیَانِ كُلُّهٗ حَقٌّ۔

" ایمان بے شک زبان سے اقرار کرنا اور دل سے تصدیق کرنا کہ تمام وہ کچھ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نازل فرمایا اور تمام وہ امور جو اس کے رسول سے شرع اور بیان صحیح طور پر ثابت ہیں، یہ سارا حق و سچ ہے "۔

لہٰذا عقائدِ اسلام اور فرائض وغیرہ سب کو دل سے محکم یقین کے ساتھ ماننا ایمان ہے۔

ایمان اور کفر وارتداد آپس میں ضدیں ہیں اور ایک دوسرے کے مقابل حقیقتیں ہیں، ایمان اگر اسلام کی ضروریاتِ دین کو ماننے (تصدیق و تسلیم) کا نام ہے تو اس کے مقابل انہیں عقائدِ قطعیہ و احکامِ قطعیہ (ضروریاتِ دینیہ) کے انکار کا نام کفر وارتداد ہے اسی لئے قرآن پاک میں کفر وارتداد کو ایمان کے منافی بیان کیا گیا ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے :۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ یَئِسُوْا
مِنْ رَّحْمَتِیْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ (العنکبوت : ۲۳)

" اور جن لوگوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا وہ لوگ مایوس ہو گئے ہیں میری رحمت سے اور وہی لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے "۔

اب یہی ملاقات جو آخرت میں ہوگی اور جس کا انکار کفر ہے، انہی آیاتِ الٰہیہ اور ملاقاتِ خداوندی پر یقین رکھنے والوں کی تعریف اس آیت میں مذکور ہے :۔

مَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ط وَ
ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

" جو شخص امید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سے ملنے کی تو وہ سن لے، کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا وقت ضرور آنے والا ہے اور وہی ہر بات کو سننے والا، ہر چیز کو جاننے والا ہے "۔

آیاتِ الٰہیہ (قرآنِ مجید) پر ایمان نہ لانے والے کافر ہی ہوتے ہیں :-

وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الْکٰفِرُوْنَ ۝ (العنکبوت : ۴۷)

" اور نہیں انکار کرتے ہیں ہماری آیتوں کا مگر کفار "

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا ط (النساء : ۵۶)

" بے شک جنہوں نے اِنکار کیا ہماری آیتوں کا ہم ڈال دیں گے انہیں آگ میں "

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝ (النساء : ۱۵۰ و ۱۵۱)

" وہ جو اللہ اور رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اللہ سے اس کے رسولوں کو جدا کر دیں اور کہتے ہیں کہ ہم کسی پر ایمان لائے اور کسی کے منکر ہوتے اور چاہتے ہیں کہ ایمان و کفر کے درمیان کوئی (تیسری) راہ نکال لیں "

معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے اور ان میں کسی ایک کا اِنکار کرنا کفر ہے، اسلام اور کفر کے درمیان تیسرا راستہ اختیار کرنا یا اسلام و کفر کو اکٹھا کرنا، قرآنِ مجید اس کو کفر قرار دیتا ہے۔

نیز کسی ایک نبی کا انکار ایسا ہے جیسے سارے نبیوں کا انکار ہے اور اسی طرح کسی آیت کا انکار ایسا ہی ہوتا ہے جیسے قرآن کی سب آیتوں کا انکار ہے اور یہ بھی اچھی طرح واضح ہو گیا کہ ایمان اور کفر دو ایسی حقیقتیں ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں

اور ایمان و کفر کے درمیان نہ کوئی تیسرا راستہ ہے نہ کوئی واسطہ ہے یعنی آدمی یا مسلمان ہو گا یا کافر ہو گا تیسری صورت کوئی نہیں کہ نہ مسلمان ہو نہ کافر۔

نفاق کفر ہے

زبان سے دعویٰ ایمان کرنا اور دل میں اسلام کا انکار کرنا نفاق کہلاتا ہے، اور یہ خالص کفر ہے بلکہ ایسے لوگوں کے لئے جہنم کا سب سے نیچے کا طبقہ ہے :

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ

" تحقیق منافق جہنم کے بدترین گوشہ میں ڈالے جائیں گے "

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں کچھ لوگ اس صفت کے اس نام کے ساتھ مشہور ہوئے لیکن قرآن نے ان کے کفرِ باطنی کو ظاہر کر دیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک کو پہچانا اور فرما دیا کہ یہ منافق تھے۔ اب اس زمانہ میں کوئی منافق اعتقادی نہیں ہے، ہمارے سامنے جو اسلام کا اقرار کرے گا ہم اس کو مسلمان ہی سمجھیں گے جب تک اس کا کوئی فعل یا قول ایسا ظاہر نہ ہو جائے جو ایمان کے منافی ہو۔

شرک

شرک کا معنٰے غیر خدا کو واجب الوجود یا مستحق عبادت جاننا یعنی الوہیت میں دوسروں کو شریک کرنا (شرح عقائد) مسلمان کو مسلمان اور کافر کو کافر جاننا ضروریات دین سے ہے۔

اسلام میں کفر و ارتداد کا معیار کیا ہے

واضح ہو کہ کفر و ارتداد شریعت میں ایمان کی ضد ہیں اور یہ کفر و ارتداد اسی صورت

میں عائد یا واقع ہوتے ہیں جبکہ اسلام کے کسی حکم قطعی سے کوئی شخص انکار کر دے اور حکم قطعی وہ ہے جس کا ثبوت قرآن کی نصِّ قطعی سے ہو یا حدیثِ متواتر سے ہو اور ان احکامِ قطعیہ کو باشعور عوام اور خواص جانتے ہوں۔ ایسے احکامِ قطعیہ کو فقہاءِ کرام اور علماءِ عقائد (متکلّمین) کے عرف میں ضروریاتِ دین کہتے ہیں :-

هُوَ مَا يَعْرِفُ الْخَوَاصُّ وَالْعَوَامُّ أَنَّهُ مِنَ الدِّيْنِ كَوُجُوْبِ اعْتِقَادِ التَّوْحِيْدِ وَالرِّسَالَةِ وَالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَأَخَوَاتِهَا يُكَفَّرُ مُنْكِرُهٗ۔ (رد المحتار، ج ۱، ص ۲۴۴، ۲۶۶)

"ضروریاتِ دین وہ امور ہیں جن کو (ان کی شہرت کی وجہ سے) خواص و عوام سب ہی دین کی ضروری باتیں سمجھتے ہیں جیسے توحید، رسالت، پانچ نمازیں اور اس کے مثل اور باتیں جن کا منکر کافر ہوتا ہے"۔

ضروریاتِ دین کا اِنکار باجماعِ امت مطلقاً کفر ہے، ناواقفیت وجہالت کو اِس میں عذر قرار نہ دیا جائے گا اور نہ ہی کسی قسم کی تاویل سنی جائے گی۔
(فتاویٰ شامی ج ۳، ص ۳۰۹)

اصلی کافر اور مرتدّ و شاتمِ رسول کا فرق

اصل کافر وہ لوگ ہوتے ہیں جو پیدائشی کافر خاندانوں میں پیدا ہوئے ہوں اور اسی کفری عقیدے پر عاقل بالغ ہونے کے بعد بھی قائم ہوں اور اسلام کے اندر شروع سے داخل نہ ہوتے ہوں۔ اصل کفار چند قسم کے ہیں :-

۱- ذِمّی کافر، جو مسلمانوں کی رعایا ہوں۔

۲- مستأمن : جو ہمارے اسلامی ملک میں امن لے کر آئیں۔

۳- حربی : جو ان دونوں میں سے تو ہوں مگر ان سے کچھ مدت کے لئے ہماری صلح ہو گئی ہو

۴- وہ حربی جن سے کوئی مصالحت نہیں۔

آخری قسم کفّار کا قتل جائز اور پہلی قسموں کے کفار کا قتل حرام ہے، یہ سب اصل کفار ہیں۔

مُرتَدّ

وہ کافر ہوتا ہے جو شروع زندگی سے مسلمان خاندان میں پیدا ہوا ہو، عاقل بالغ ہو کر ایمان پر قائم ہو اور بعد میں عقل رکھتے ہوئے سارے اسلام و ایمان کا اِنکار کر دے یا ضروریاتِ دین کے تمام امور میں سے بعض سے رجوع و انکار کر دے تو شریعت و قانونِ اسلام میں اسے مرتد کہتے ہیں :-

اَلْمُرْتَدُّ عُرْفًا هُوَ الرَّاجِعُ عَنْ دِيْنِ الْإِسْلَامِ۔ (النہر الفائق)

"مرتد (شرعی) عرف میں وہ شخص ہے جو دینِ اسلام سے پھرنے والا ہو"۔
یعنی دینِ اسلام سے رجوع کرنے والا دینِ اسلام کو چھوڑنے والا، انکار کرنے والا مرتد ہے۔

وَرُكْنُ الرِّدَّةِ إِجْرَاءُ كَلِمَةِ الْكُفْرِ عَلَى اللِّسَانِ بَعْدَ وُجُوْدِ الْإِيْمَانِ۔
"رِدّۃ کا رکن ہے کفر کا کلمہ زبان پر جاری کرنا ایمان موجود ہونے کے بعد"۔

وَشَرَائِطُ صِحَّتِهَا الْعَقْلُ۔ (فتاویٰ عالمگیری، باب احکام المرتدین)
اور رِدّۃ کے صحیح ہونے کی شرط عقل کا ہونا ہے۔

یعنی مرتد اس شخص کو کہا جائے گا جو عقلمند اہلِ ایمان ہوتے ہوتے اپنی زبان سے کلمہ کفر بکے اور کلمۂ کفر زبان پر جاری کر دے۔

شاتمِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

شاتِم اور سابّ وہ شخص ہوتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر و تنقیص کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شتم و سبّ کرے یعنی گالیاں دے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو

اذیت پہنچائے اور ہتکِ عزت کرے (العوذ باللہ من ذالک)

نوٹ: سب کفروں سے بڑھ کر کفر، شتم وسبِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی ہے اور یہ شتم وسبِ رسول تمام فتنوں سے بڑھ کر فتنہ ہوجاتا ہے لہٰذا اس کی سزا و عقوبت بھی بطورِ حد ہوگی بطورِ تعزیر نہ ہوگی اور سب جرموں سے اہانت وسبِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بدترین جرم ہے اور شتمِ رسول عام کفر سے زائد جنایت و جرم ہے بلکہ یہ جرموں کا جرم ہے، اس کی سزا و عقوبت بھی بطورِ حد سب عقوبتوں سے بڑھ کر ہے لہذا اہانتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتکب مباح الدم ہوتا ہے اور ایسے بدترین مجرم کے خون کو بہانے والا سب سے بڑا مجاہد ہوتا ہے اور گستاخ رسول کو قتل کرنے کی نیکی سب نیکیوں سے بڑھ کر نیکی ہے اور افضل الاعمال وافضل الجہاد گستاخ رسول کو قتل کرنا ہے۔ (الصارم المسلول، از ابن تیمیہ ص ٢٩١)

شاتمِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سزا صرف اور صرف قتل ہی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تحقیر کرنے والے کی توبہ امتِ مسلمہ کے نزدیک قبول نہیں ہوگی تنقیص و تحقیر کرنے والا شاتمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر توبہ کرے تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان ہوگا، خداوندِ کریم اس کی توبہ رد کرے یا قبول فرمائے لیکن سزا اسے ضرور دی جائے گی یعنی اسے قتل کرنا واجب اور ضروری ہوگا اور یہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہوگی کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کا تحفظ کرے اور اگر اسلامی حکومت کسی وجہ سے یہ فرض ادا نہ کرسکے تو امتِ مسلمہ کو یہ حق حاصل رہے گا کہ وہ شاتمِ رسول کو قتل کردیں تاکہ اس عظیم فتنہ کو پھیلانے والوں سے اللہ کی زمین پاک ہوجائے اور اس فتنہ و فساد سے اہلِ دنیا کو محفوظ کرایا جاسکے (اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس فتنہ سے محفوظ رکھے)

مرتد کی سزا قرآن مجید میں واضح طور پر موجود ہے

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

" پھر اگر وہ لوگ (کفر سے) توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں، ہم اپنے احکام ان لوگوں کے لئے واضح طور پر بیان کررہے ہیں جو جاننے والے ہیں"

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝ (توبہ: ١٠-١١-١٢)

" لیکن اگر وہ عہد (قبولِ اسلام کا) کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر زبانِ طعن دراز کریں تو پھر کفر کے لیڈروں سے جنگ کرو کیونکہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں، شاید کہ وہ اس طرح باز آجائیں"

تشریح:

ان آیاتِ مبارکہ سے صراحتاً ثابت ہے کہ جو لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرتے ہیں یا اسلام پر (جو سچا دین ہے اور ہر خوبی وہدایات کا جامع ہے اور ہر دور کے انسانوں کے لئے ضابطہ حیات اور ذریعۂ نجات ہے) بے بنیاد، بیہودہ اعتراضات کا منہ کھولے تو ایسے لوگوں کا عہد اور ذمہ ٹوٹ جائے گا اور قرآن کی سیاق عبارت سے صراحت کے طور پر عہد شکنی سے مراد اقرارِ اسلام سے پھر جانا متعین ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اقرارِ اسلام کے بعد اسلام سے پھر جانا ارتداد ہوتا ہے اور ارتداد کے لیڈروں کے لئے صحیح طور پر ارشادِ ربانی متصلاً ہے :-

فَقَاتِلُوٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ۔ تحریکِ ارتداد کے لیڈروں کو سب ملکر قتل کریں۔

اور اسلام میں جہاد کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کفار کو فنا کیا جائے یا انہیں جبراً مسلمان بنایا جائے بلکہ اسلامی جہاد سے مقصود یہ ہے کہ اسلام کے خلاف جو سازشیں سر اٹھائیں ان کا دفاع کیا جائے اور اسلام دشمنی کے زور کو توڑا جائے۔

واضح ہوگیا کہ قرآنِ پاک میں ارتداد کے لیڈروں سے جنگ کرنا اور انہیں قتل کرنا حقیقی جہاد ہے اور اس جہاد یا اس جدوجہد کے لئے اہلِ ایمان تحریری، مادی، جسمانی قوتوں کو خرچ کرنے کے مکلّف و پابند ہیں نیز کفر کے لیڈروں کے خلاف اس وقت تک جنگ جاری رکھی جائے جب تک وہ اسلام کے خلاف سازشوں سے باز نہ آئیں اور اگر مرتدین و لیڈرانِ کفر باز نہ آئیں تو مسلمان ملکر انہیں قتل کریں، قرآن اعلان فرماتا ہے :۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ (النساء : ۸۹)

"پھر اگر وہ (اسلام سے) منہ پھیریں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ، قتل کرو ان میں کسی کو نہ دوست ٹھہراؤ نہ مددگار۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں کافر، مرتد اور بدمذہب کو دلی دوست بنانا حرام ہے اگرچہ وہ کلمہ پڑھتا ہو اور اپنے کو مسلمان کہتا ہو کیونکہ ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک امر کا انکار کفر و ارتداد ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ اصل کافر کے لئے اسلام یا جزیہ یا قید یا قتل ہے مگر مرتد کے لئے اسلام یا قتل ہے :۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ج فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ

اَجْرًا حَسَنًا ج وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

"ان پیچھے رہ گئے ہوئے بدوی عربوں کو فرماؤ کہ عنقریب تم ایک سخت لڑائی والی قوم کی طرف بلائے جاؤ گے کہ ان سے لڑو یا وہ مسلمان ہوجائیں پھر اگر تم فرمان مانو گے اللہ تمہیں اچھا ثواب دے گا اور اگر تم پھر جاؤ گے جیسے پہلے پھر گئے تو تمہیں دردناک عذاب دے گا۔"

یہ یمامہ والے قبیلہ بنی حنیفہ کے لوگ تھے جو مسیلمہ کذاب پر ایمان لاکر مرتد ہوئے تھے۔ خلافتِ صدیقی میں ان سے صحابہ کرام نے بالاتفاق جنگ کی جس میں بہت سے صحابہ کرام شہید ہوئے جن کی شہادت سے یہ خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ شاید کہیں قرآنِ مجید کی حفاظت قائم نہ رہ سکے، اس خطرہ کے پیشِ نظر قرآنِ کریم جمع کیا گیا تاکہ کتابی شکل میں لاکر محفوظ رہے، اِن مرتدین کے ساتھ جنگ کرکے انہیں قتل کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ وہ لوگ مرتد ہوچکے تھے، ایسے مرتدوں کے لئے سزا بطورِ حد قتل کرنا ہے یا وہ اسلام میں داخل ہوجائیں یا انہیں قتل کردیا جائے۔ ان مرتدوں سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا آپ کے بعد کسی نئے مدعیٔ نبوت کو نبی ماننا کفر و ارتداد ہے جیسے کسی سابقہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کا انکار یا ان کی اہانت و گستاخی کفر و ارتداد ہوتا ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے جس پر اجماعِ صحابہ کرام عملی صورت میں جنگ واقع ہوئی جس کے نتیجہ میں انہیں قتل کیا گیا۔

خاص نکتہ

لفظِ تَوَلَّيْتُمْ سے معلوم ہوا کہ مرتدین کے ساتھ جنگ و جہاد نہ کرنے والے مجاہدین کا ساتھ چھوڑنے والے سخت عذاب کے مستحق ہیں یعنی مرتدین کے خلاف جنگ

کرنے والے مجاہدین حق بجانب اور اجرِ حَسَن کے حقدار ہوتے ہیں، ان مجاہدین کے خلاف اتحاد کرنے والے افراد ہوں یا جماعتیں ہوں یا حکومتیں ہوں وہ سب سخت عذاب کے مستحق ہوں گے۔

اس آیتِ کریمہ کے حکم سے ضعیف الایمان لوگ عبرت حاصل کریں جو مرتدین کے حق میں شریعتِ اسلامیہ کے تقاضوں کو پورا کرنے سے گھبراتے ہیں یا مرتدین اور گستاخوں کے بارے میں غلط فتوے دیتے ہیں یا ضرورتِ اسلامی سے بڑھ کر نرمی و مداہنت کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

قرآنِ کریم میں یہ بھی ہے کہ سامری نامی شخص نے بنی اسرائیل کے بعض اہلِ ایمان لوگوں کو مرتد بنالیا تھا کہ اس نے خود بھی اور دوسرے لوگوں سے بھی اس بچھڑے کی عبادت کرائی تھی اور انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا تھا جس کی وجہ سے وہ مرتد ہوچکے اوران مرتدین کی سزا حضرتِ موسےٰ علیہ السلام کی شریعت میں قتل ہی قرار پائی تھی، اس سزائے موت کو قرآنِ کریم میں بھی باقی رکھا گیا ہے، ارشاد ہے :-

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ۔ (البقرہ: ۵۴)

" تو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو یہ تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمہارے لئے بہتر ہے۔"

معلوم ہوا کہ مرتد کی سزا قتل ہی ہے اور اس آیہ کریمہ میں خودکشی مراد نہیں ہے، بلکہ اس کا یہ معنٰے ہے کہ ارتداد کی سزا یہ ہے کہ قتل کے لئے اپنے آپ کو پیش کرو اور ارتداد کی سزائے موت کا انکار نہ کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

دوسرے مقام پر اہلِ ارتداد کے بارے میں واضح ارشاد ہے :-

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ج وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ٥

" اور تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے پھر کافر ہوکر مرے تو یہی وہ (بدنصیب) ہیں کہ ضائع ہوگئے ان کے عمل دنیا و آخرت میں اور یہی دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

احکامِ مرتدین

معلوم ہوا کہ ارتداد اتنا بڑا جرم ہے کہ اس سے تمام نیکیاں برباد ہوجاتی ہیں کافر اصلی کی نیکیاں اسلام قبول کرنے کے بعد قابلِ ثواب ہیں لیکن مرتد کی ساری نیکیاں دنیا میں اس طرح برباد ہوجاتی ہیں کہ اس کی عورت اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے، رشتہ داروں کی وراثت سے محروم ہوجاتا ہے، اس کا مال غنیمت کا مال بن جاتا ہے خاص کر اس کے قتل کا حکم یقینی ہوجاتا ہے اور اس کے ساتھ محبت و دوستی کے سارے رشتے اور تعلقات حرام ہوجاتے ہیں اور اس کی کسی طرح کی مدد کرنا جائز نہیں رہتا اور آخرت میں اس کی ساری نیکیاں اس قابل نہیں رہ جاتی ہیں کہ ان پر کوئی جزا دی جاسکے کیونکہ جب ایمان ہی باقی نہ رہا تو اعمال اور ان کی جزا کب باقی رہ سکتی ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ عام مرتد جو کسی دینی ضروری امر کا انکار کردے تو اس کی توبہ دنیا میں قبول اس طرح ہوسکتی ہے کہ وہ کلمہ پڑھ کر دوبارہ مخلصانہ طور پر اسلام لے آئے اور آئندہ کے لئے ارتداد سے بچا رہے اور جو کچھ اس نے اسلام کے خلاف کیا ہو اسے مٹائے لیکن جو مرتد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائے یا آپ کی تنقیصِ شان کرے یا آپ پر طعن کرے یا آپ کی عیب جوئی کرے تو ایسے مرتد کا خاص حکم یہ ہے کہ اس کو قتل ہی کیا جائے گا، اس کی توبہ دنیا میں قبول نہیں ہے اور نہ ہی ایسے گستاخ و مرتد سے کوئی رعایت روا رکھی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین وتحقیر اور آپ کی شانِ اقدس میں طعن واذیت کو اپنی ہی شان میں توہین وتحقیر اور طعن واذیت قرار دیتا ہے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ ۚ

"اور ان میں کوئی وہ ہیں کہ نبی کو ستاتے ہیں اور کہتے ہیں وہ تو کان ہیں، تم فرماؤ! تمہارے بھلے کے لئے کان ہیں، اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور مسلمانوں کی بات پر یقین کرتے ہیں اور جو تم میں مسلمان ہیں ان کے واسطے رحمت ہیں۔"

منافقین اپنی جداگانہ محافل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں جداگانہ باتیں کرتے رہتے تو بعض کہتے کہ ہوشیار رہنا ان تک تمہاری بات نہ پہنچے تو اس پر جلاس بن سوید بولا کوئی نہیں اگر ان تک بات پہنچی تو ہم اپنی گستاخی سے انکار کر دیں گے اور قسم کھا جائیں گے، وہ تو نرے کان ہیں یعنی ہر ایک کی بات مان لیتے ہیں تو اس گستاخی پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی کہ یہ نبی رحمت ہیں، کریم ہیں، پردہ پوش ہیں، یہ ہر بات مانتے نہیں ہیں بلکہ وہ باتوں پر پردہ ڈال لیتے ہیں اور اس میں تمہارا بھلا ہے ورنہ اگر عیبوں کو ظاہر کرنا شروع کر دیں تو تم میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا، وہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اہلِ ایمان کی باتوں پر یقین کرتے ہیں، ان کی خاموشی بھی رحمت ہے، ان کا بولنا بھی رحمت وہدایت ہے۔ اب اِس گستاخی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچی جس کو اللہ تعالےٰ نے بیان فرمایا۔ مزید فرمایا:-

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (۶۱)

"اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

یہ آیت صراحۃً بیان کر رہی ہے کہ رسول اللہ کو جو اذیت دیتے ہیں ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔ اللہ نے آپ کی اذیت کو بیان کرتے وقت آپ کی صفتِ رسالت کو لاکر یہ واضح کر دیا کہ تم اذیت دینے والے محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب کو اذیت نہیں دے رہے ہو جو عربی قریشی وہاشمی مکی ومدنی کی نسبتوں کے حامل ہیں۔ اگر آپ کی شان یہاں تک محدود ہوتی تو پھر آپ پر وحی نہ اترتی نہ آپ رسالت ونبوت بلکہ ختمِ نبوت سے سرفراز ہوتے لیکن آپ تو رسول اللہ ہیں لہٰذا میرے رسول کو جو اذیت دے گا وہ براہِ راست مجھے اذیت دے گا اور رسول اللہ کو اذیت دینا کفر ہے اور کفر پر عذابِ الیم کی سزا مقرر ہے۔ رسول اللہ کو اذیت دینا کفر ہے اور اگر امتِ مسلمہ کے اعمالِ بد سے اذیت آپ کو پہنچے تو یہ کفر نہیں ہے کہ اس میں اذیت دینا نہیں پایا جاتا ہے اور اس آیت میں ایذار کا ذکر ہے یعنی آپ کو اذیت پہنچانا کفر وارتداد ہے۔

اب آگے متصل آیا کہ یہ لوگ اللہ کی قسم کھا کر ثابت کرتے ہیں کہ تمہیں راضی کر دیں مگر ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ اور رسول کی اذیت ومحادات وعداوت ایک ہی نوعیت اور ایک ہی مرتبہ وجہت کی ہے، ان میں سزا بھی ایک ہی طرح کی ہوگی اور اسی طرح رضا وخوشنودی بھی ایک ہی مرتبہ اور ایک ہی جہت کی ہوتی ہے:

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَن يُرْضُوهُ إِن كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۝ (التوبہ: ۶۲)

"تمہارے سامنے اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ تمہیں راضی کر لیں اور اللہ اور رسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے اگر ایمان رکھتے تھے۔"

اس آیت میں یُرضوہ کی "ہ" ضمیرِ واحد ہے حالانکہ پہلے اللہ اور رسول دونوں کا ذکر آیا ہے، اس سے اشارہ کر دیا کہ رسول کی رضا ہی اللہ کی رضا ہے جیسے اِس رسول کی

اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ اور جس نے
اس خاص رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کرلی کیونکہ اللہ اور اس کے رسول دونوں
کی اطاعت الگ الگ نہیں بلکہ دونوں کی اطاعت و رضا ایک ہی ہے اور ایک ہی نوعیت کی ہے
اور اسی طرح ان دونوں کی اذیت و عداوت بھی ایک ہی مرتبہ و جہت کی ہے، ارشاد ہے:۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ
نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝

"کیا انہیں خبر نہیں کہ جو خلاف کرے اللہ اور رسول کا تو اس کے لئے
جہنم کی آگ ہے ہمیشہ اس میں رہے گا، یہی بڑی رسوائی ہے۔"

یعنی رسول کی مخالفت و عداوت اور ان کا خلاف کرنا حقیقت میں اللہ کی مخالفت
خلاف کرنا ہے کیونکہ رسول اللہ کی نسبت سے ہوتے ہیں اور رسالت خاص انعامِ الٰہی کا
مرتبہ ہوتا ہے لہٰذا رسول کی مخالفت اللہ کی مخالفت ہے ورنہ حقیقت میں اللہ کو کوئی نہ تو اذیت
دے سکتا ہے اور نہ ہی اس کی مخالفت کی مجال ہے لیکن رسول چونکہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں
اور رسول قدرتِ الٰہی کے شاہکار اور مظہرِ اتم ہیں تو رسول کی مخالفت اصل میں اللہ کی مخالفت
قرار پاتی ہے اور اللہ و رسول کی مخالفت کی سزا یہ ہے کہ قیامت میں ہمیشہ کے لئے جہنم میں
رہیں گے اور ان کی بڑی رسوائی ہوگی کہ رسول کی اذیت و عداوت سب سے بڑا کفر و ارتداد
ہوتا ہے اور رسول کی اذیت کی سزا دنیا میں لعنت ہے اور آخرت میں بھی لعنت ہے
اور لعنت خداوندِ کریم کی رحمت سے دور کر دینے کا نام ہے اور رحمت سے دور وہی لوگ
ہوتے ہیں جو کافر و مرتد ہو جاتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول کی ادنیٰ مخالفت و اذیت
بھی کفر و ارتداد ہے اور رسول کی مخالفت کا وہی درجہ ہے جو اللہ کی مخالفت کا درجہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانا، توہین کرنا حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کا
مذاق اڑانا اور توہین کرنا ہوتا ہے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کفر و ارتداد ہے۔

قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا
قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ط (التوبہ:)

"تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو
بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔"

معلوم ہوا کہ حضور کی توہین اللہ کی توہین ہے۔ اصل میں منافقوں نے رسولِ
اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

"تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو۔"

حضور علیہ السلام کی توہین اللہ اور اس کی آیتوں کی توہین ہوتی ہے حضور کی
گستاخی کفر و ارتداد ہے اگرچہ گستاخی کی نیت نہ بھی ہو، صرف استہزا ہی کفر ہے اللہ تعالیٰ
نے اپنے رسولِ کریم علیہ السلام پر زبانِ طعن کو بھی اپنی ذاتِ واجب الوجود پر طعن قرار دیا ہے
اور حضور علیہ السلام کی تقسیم کو اپنی تقسیم فرمایا اور آپ کی تقسیم پر اعتراض کو اپنی ذات پر اعتراض
ٹھہرایا ہے:۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا
مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا
اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝ (التوبہ: ۵۸، ۵۹)

"اور ان میں کوئی وہ ہے کہ صدقے بانٹنے میں تم پر طعن کرتا ہے تو اگر
ان میں سے کچھ ملے تو راضی ہو جائیں اور نہ ملے تو جبھی وہ ناراض ہیں اور کیا
اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ و رسول نے ان کو دیا اور کہتے
ہمیں اللہ کافی ہے، اب دیتا ہے اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول، ہمیں
اللہ ہی کی رغبت ہے۔"

شانِ نزول

ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غنیمت کا مال تقسیم فرما رہے تھے کہ ذوالخویصرہ نامی ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ آپ انصاف کریں،
اس شخص کی اس گستاخی کو دیکھ کر عمر فاروق نے اسے قتل کرنے کی اجازت چاہی، کیونکہ دربارِ رسالت سے اجازت ضروری تھی، اگرچہ حضرت عمر فاروق نے دوسرے موقع پر جبکہ ایک برائے نام مسلمان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو رد کیا تو آپ نے اسے اس گستاخی پر جہنم رسید کر دیا تھا اور قرآن نے آپ کے اس فیصلہ کو برقرار رکھا تھا لیکن یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو منع فرما دیا چنانچہ فرمایا کہ اس شخص کی پشت سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو تم سے بڑھ کر نمازی اور قرآن خواں ہوں گے مگر وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے، تو اس گستاخِ رسول کے متعلق یہ آیہ مبارکہ اتری۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر اپنے ذاتی مجرم کو چھوڑ دیں تو آپ کو یہ اختیار حاصل ہے کیونکہ آپ اخلاقِ عالیہ پر فائز تھے۔ آپ نے اس کے عیب بیان فرما کر اسے چھوڑ دیا لیکن امت کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ مرتد کو سزائے موت نہ دے، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ عمر فاروق کے ارادہ قتل کو برا نہیں فرمایا تھا۔

اس آیہ مبارکہ سے یہ بھی واضح ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل شریف پر اعتراض وطعن کرنا کفر وارتداد ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ حقیقت میں تو اللہ ہی کی عطا و انعام اور فضل ہے لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خلیفہ اعظم ہیں اور مظہرِ اتم تو حضور کی عطاء و انعام و فضل اللہ ہی کے ہیں اور یہاں فضل و عطاء ایک ہی قرار دئے گئے ہیں۔

یاد رہے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کرنا اور آپ کو اذیت دینا بلاواسطہ ہو یا بالواسطہ، یہ کفر وارتداد ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت و اذیت اللہ تعالیٰ ہی کی اہانت و

اذیت ہے، ارشاد ہے:۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝ (احزاب: ۵۳)

" اور تمہیں نہیں (حق) پہنچتا کہ رسول اللہ کو ایذاء دو اور نہ یہ کہ ان کے بعد کبھی ان کی بیبیوں سے نکاح کرو، بے شک یہ اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات ہے۔"

معلوم ہوا کہ ازواجِ مطہرات سے ہمیشہ کے لئے نکاح کرنا حرام قطعی ہے بلکہ نکاح کا ارادہ کرنا بھی حرام قطعی ہے اس لئے کہ اس سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت ہو گی اور آپ کو اذیت پہنچانا کفر ہے ارتداد ہے اور اس کا سخت عذاب ہو گا کیونکہ ایسا جرم کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی سخت بات و جرم ہے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینا اللہ ہی کو اذیت پہنچانا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝

" بے شک جو ایذاء دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

پھر ارشاد ہوتا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ (الاحزاب: ۵۸)

" اور جو ایذا دیتے ہیں، ایسے مردوں اور عورتوں کو بے کئے ستاتے ہیں، انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا۔"

ان آیات میں رسول کی اذیت کو اللہ نے اپنی اذیت بیان فرمایا کیونکہ رسول

کی رسالت اللہ کی عطاء و انعام ہوتی ہے تو رسالت کی جہت سے اذیت دینا، یہ اللہ ہی کی اذیت ہے، اس کی سزا دنیا و آخرت میں لعنت ہے اور دنیا کی لعنت ایسے مرتد کو قتل کرنا ہے اور عذابِ مہین سے مراد ذلّت کا عذاب ہے اور یہ دنیا میں مرتد کو قتل کرنا ہے، آگے اس کی تفسیر دوسری آیت میں خود آئی ہے اور قرآنِ پاک کی آیات کی سب سے معتبر تفسیر یہ ہے کہ ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت خود کر دے، اِس اعتبار سے دنیا میں لعنت اور عذابِ مہین سے مراد مرتد و گستاخ کو قتل کر دینا ہے، ملاحظہ ہو:۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝

"اگر باز نہ آئے منافق اور جن کے دلوں میں روگ (حسد کی بیماری ہے) اور مدینہ میں جھوٹ اڑانے والے تو ضرور ہم تمہیں ان پر قوت دیں گے پھر وہ مدینہ میں تمہارے پاس نہ رہیں گے مگر تھوڑے دن پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں ملیں پکڑے جائیں اور گن گن کر قتل کئے جائیں، اللہ کا دستور چلا آتا ہے، ان لوگوں میں جو پہلے گذر گئے اور تم اللہ کا دستور ہرگز بدلتا نہ پاؤ گے۔"

اِن آیات سے واضح ہو گیا کہ اللہ کے رسول کی اہانت و اذیت اللہ ہی کی اہانت و اذیت ہے اور مرتدوں پر اہلِ ایمان کو اللہ تعالےٰ ضرور ہی غلبہ اور قوت عطا فرماتا ہے، چاہے برطانیہ ہو یا یورپ و امریکہ ہو یا مشرقِ وسطیٰ، ایشیا ہو یا رشیا ہو، گستاخی فتنہ ہوتی ہے اور فتنہ قتل سے بڑا جرم ہوتا ہے اور گستاخی کے فتنہ کو ہر حکومت پر اہلِ ایمان اور اہلِ انصاف

کے لئے دبانا، ختم کرنا ضروری ہے تاکہ عالمی امن و سلامتی پائی جائے اور مدینہ منورہ کو منافقوں سے خالی کر دینے سے واضح ہو جاتا ہے کہ عدل و انصاف کا تقاضا ہے کہ کوئی حکومت اور کوئی شخص گستاخانِ انبیاء کرام علیہم السلام کی کچھ بھی حمایت نہ کرے بلکہ ان کی حمایت سے دور رہیں اور گستاخوں کو اپنی زمین سے نکال دیں، کسی حکومت یا کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ گستاخوں کی حمایت کر کے عالمی امن کو خطرے میں ڈال دیں بلکہ مرتد گستاخوں کو گرفتار کر لیا جائے چاہے اسلامی ملک میں ہوں یا کسی غیر اسلامی ملک میں ہوں، ان کو لازماً گرفتار کر لیا جائے، اللہ تعالےٰ نے اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا فرمایا کہ روئے زمین پر جہاں کہیں بھی ہوں پکڑ لئے جائیں اور گن گن کر خوب قتل کئے جائیں۔

اِن جملوں میں صرف اسلامی حکومت کو خطاب نہیں ہے بلکہ ہر اہلِ انصاف ایسا کر سکتا ہے اور ہر اہلِ ایمان گستاخوں کو سزائے موت دے سکتا ہے تاکہ ان کے فتنے سے انسانیت کو امان ملے اور یہ کہ اللہ تعالےٰ اور رسولوں پر لوگوں کا ایمان و اعتماد کمزور نہ پڑ جائے۔

مرتد و گستاخ کو قتل کرنے کا حکم صرف اسلام میں نہیں آیا ہے بلکہ پہلے دینوں میں بھی یہی دستور و قانون جاری رہا ہے۔ اگر اسلام سے قبل یہ قانون جاری رہا تو اسلام میں اس قانون پر عمل کرنے کو کیونکر معیوب سمجھا جا سکتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بالواسطہ یا بلاواسطہ گالیاں دینا یا اذیت پہنچانا، طعن و تشنیع کرنا یا آپ کے محبوب بندوں اہلبیت، ازواجِ مطہرات و صحابہ کرام علیہم الرضوان کو گالیاں دینا یا کوئی آپ کے کسی فعل شریف کو ہلکی نگاہ سے دیکھے یا آپ کے ذکرِ خیر کو روکے یا آپ پر عیب لگائے، اِس قسم کے لوگ دنیا و آخرت میں ذلت کے عذاب کے مستحق ہوں گے اور دنیا و آخرت میں لعنت کے حقدار ہوں گے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینا یا اہانت کرنا، اس کی حد سزائے موت ہے اور اگر ازواجِ مطہرات،

اہلبیتِ عظام، صحابہ کرام کی شان میں براہِ راست گستاخی کرے تو ایسے شخص کو تعزیری سزا دی جائے گی کیونکہ اِن محبوبوں کی عزت رسولِ کریم علیہ السلام کی نسبت اور واسطہ سے ہے اور رسولِ کریم کی عزت بلا واسطہ ہے، آپ کو صرف اللہ تعالےٰ ہی کی طرف سے عزت ملی ہے اِسی لئے اللہ تعالےٰ نے آپ کی رضاء و اطاعت اور بیعت یا اذیت کو اپنی ہی رضا و اطاعت و بیعت اور اذیت قرار دیا ہے اور نبی کریم علیہ السلام کی اذیت و اہانت کی حد سزائے موت ہی ہے۔

حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے والا اور آپ کی شانِ اقدس میں سبّ و شتم کرنے والا مرتد واجب القتل ہوتا ہے اگرچہ وہ کلمۂ اسلام کو پڑھتا ہو کیونکہ آپ کو ایذاء دینا اور آپ کی شان میں طعن کرنا اور آپ سے عداوت کرنا کفر ہے، ارتداد ہے بلکہ عام کفر سے بڑھ کر معادات اور مشاقت ہے اور یہ کفر ہے اور محاربت ہے اور یہ اہانت کفرِ محض سے زیادہ سخت کفر ہے تو ایسا شخص کافر ہے، اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کا دشمن ہے، اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محارب ہے، اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کا محارب سخت قسم کا مرتد ہوتا ہے اور اسے شاتمِ رسول کہا جاتا ہے کیونکہ اس نے ضروریاتِ دین کا انکار نہیں کیا ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسول کو گالیاں دیں اور طعن کیا اور محاربانہ اذیت پہنچائی ہے، ایسے گستاخ کی سزا بطورِ حد صرف قتل ہی ہے، قرآن کا ارشاد ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ۝ (منافقون : ۸)

"بے شک وہ جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی وہ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں۔"

معلوم ہوا کہ رسول کی مخالفت اللہ ہی کی مخالفت ہے، اللہ کی مخالفت تو کوئی کم ہی کرتا ہوگا لیکن رسول کی مخالفت ہوتی رہی، رب نے فرمایا بس رسول کی مخالفت اصل میں اللہ ہی کی مخالفت ہے کیونکہ رسول، اللہ تعالےٰ ہی کا نائب ہوتا ہے اور رسول کی مخالفت بھی

صرف اِس لئے کی جاتی ہے کہ رسول اللہ کی توحید کی دعوت دیتے ہیں تو اس لحاظ سے رسول کی مخالفت اللہ ہی کی مخالفت ٹھہری۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول کا مخالف بڑا ذلیل انسان ہوتا ہے، دنیا میں بھی ذلیل ہوگا اور آخرت میں بھی ذلیل ہی ہوگا۔

سلیمان رشدی کی ذلّت عالمی سطح پر واضح ترین مثال ہے کہ حکومتِ برطانیہ اور کل یورپ و امریکہ نے اس کی حمایت بھی کی اور ساتھ ہی اس کی مذمت بھی کی کہ واقعی اس نے سٹینک ورسسز میں توہین آمیز باتیں لکھی ہیں وغیرہ، یہی اس آیتِ کریمہ کا زندہ معجزہ ہے کہ واقعی رسول کا گستاخ ذلیل انسان ہوتا ہے اور دنیا و آخرت میں ذلیل ہو جاتا ہے اللہ اور قیامت پر یقین رکھنے والے کبھی بھی رسول کے گستاخ کے ساتھ دوستی اور محبت نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ اللہ پر ایمان بھی ہو اور ساتھ اللہ کے رسول کی تحقیر و توہین بھی کرے اور رسول کی توہین اصل میں اللہ ہی کی توہین ہوتی ہے تو گویا اللہ پر ایمان بھی رکھے اور ساتھ ہی اللہ کی توہین بھی کرے، توہین انکار کو چاہتا ہے اور ایمان اقرار کا نام ہے تو انکار اور اقرار آپس میں جمع نہیں ہو سکتے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ (المجادلہ : ۲۲)

"تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر، کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں، یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور ان کو تائید دی اپنی طرف سے روح کے ساتھ۔"

معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول سے ایمان کا عقیدہ وابستہ کرنے کے بعد وہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی یا محبت کا رشتہ استوار نہیں کرسکتے ہیں۔

یہ عظمت والا ایمان صحابہ کرام کا تھا کہ حضرتِ ابوعبیدہ بن جراح نے غزوۂ احد میں اپنے باپ جراح کو قتل کیا اور حضرت علی مرتضیٰ نے بدر میں عتبہ بن ربیعہ کو قتل کیا، حضرت عمر نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو، مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبداللہ ابن عمیر کو بدر میں قتل کیا، ابوبکر صدیق نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو پکارا کہ آ باپ بیٹے کے دو دو ہاتھ ہو جائیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا اور بعد میں عبدالرحمٰن ایمان لے آئے۔

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے والا صحابہ کرام نے کبھی بھی برداشت نہیں کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فیصلہ اللہ ہی کی اطاعت اور فیصلہ ہوتا ہے، رسول کے فیصلے کا انکار کرنا کفر و ارتداد ہوتا ہے اور ایسا مرتد واجب القتل ہوتا ہے کیونکہ رسول کے فیصلے کو ٹھکرانے والا گویا کہ رسول کے فیصلے کی توہین کرجاتا ہے اور توہینِ رسول کی سزا سزائے موت ہوتی ہے۔

قرآن نے واضح کردیا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو دل و جان سے ماننا اہل ایمان کے لئے فرض ہے بلکہ شرطِ ایمان ہے، جو شخص رسولوں کے فیصلے کو نہ مانے وہ بے ایمان ہے، حضور کی حاکمیت کو تسلیم کرنا عینِ ایمان ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

"اے رسول! تیرے رب کی قسم یہ مومن نہیں ہوسکتے جب تک اپنے تمام معاملات میں تمہارا حکم نہ مان لیں"۔

یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب دو شخصوں کا جھگڑا ہوا اور وہ اپنا جھگڑا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے، نبیِ اکرم نے ایک شخص کے حق میں فیصلہ فرما دیا، آپ کا یہ فیصلہ دوسرے شخص نے نہ مانا اور کہا کہ میں یہ فیصلہ حضرتِ عمر فاروق کے پاس

لے جانا چاہتا ہوں تو اس کے دوسرے ساتھی نے کہا کہ مجھے منظور ہے، چلئے۔

چنانچہ دونوں حضرتِ عمر کے پاس آ گئے۔ اس دوران جس شخص کے حق میں فیصلہ ہوچکا تھا، اس نے سب سے پہلے عرض کردیا کہ رسولِ اکرم نے فیصلہ میرے حق میں دے دیا ہے اور اب میرا ساتھی یہ مقدمہ آپ کے پاس لے آیا ہے، اب آپ کی مرضی آپ جو چاہیں فیصلہ کریں۔ بس اتنی بات حضرت عمر نے سنی اور رسول کے فیصلے کا انکار کرنے والے سے پوچھا کہ کیا واقعی یہ حقیقت ہے تو اس نے اقرار کیا۔ اس پر حضرتِ عمر نے فرمایا میں ابھی آتا ہوں چنانچہ حضرتِ عمر تلوار لیکر باہر آئے اور اپنی تلوار سے رسول کے فیصلے کے منکر کی گردن اڑا دی۔

یہ سارا واقعہ قتل حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔ آپ نے فرمایا عمر کسی مومن کو قتل نہیں کرسکتا ہے تو اللہ تعالٰی نے یہ آیت اتاری کہ:

"محبوبا! تیرے رب کی قسم! یہ لوگ ایمان والے نہیں ہوسکتے جب تک اپنے جھگڑوں میں آپ کو حاکم نہ مان لیں"۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

مَا كُنْتُ اَظُنُّ اَنَّ عُمَرَ يَجْتَرِئُ عَلٰى قَتْلِ مُؤْمِنٍ

"میں یہ گمان ہی نہیں کرسکتا کہ عمر کسی مومن کے قتل پر جرأت کریں"

یعنی جس کو عمر قتل کرے گا وہ حقیقت میں مومن نہ ہوگا بلکہ وہ مرتد ہی ہوگا اور پھر اس کی تصدیق اللہ تعالٰی نے نازل فرمائی کہ واقعی رسول کے گستاخ مرتد ہیں مومن نہیں ہیں اور مرتد واجب القتل ہوتا ہے جس پر حضرتِ عمر فاروق نے عمل کرکے بتا دیا کہ مرتد کے قتل کرنے کے لئے کسی حکومت کا انتظار نہ کریں۔ جس اہلِ ایمان سے ہوسکے گستاخ مرتد کو فوراً قتل کردے ورنہ حضرتِ عمر اس گستاخ کا فیصلہ دربارِ رسالت میں لے جاتے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرا کر پھر قتل کرتے لیکن ایسا نہ کرنا اور اللہ تعالٰی کا عمر فاروق کے عمل کی تائید و تصدیق نازل فرمانا یہ دلیل ہے کہ جہاں کہیں ہو مرتد گستاخ کو قتل کرنا خداوندی

فیصلہ ہے جہاں بھی ہو، اسلامی حکومت ہو یا غیر اسلامی، گستاخی کے فتنہ کو مٹانا ضروری ہے۔

تعظیمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

یاد رہے کہ جن جن ضروریاتِ دین پر ایمان لانا ضروری اور فرض ہے ان کی تعظیم و توقیر بھی فرض ہے اور ایمان کی علامت ہے، قرآنِ مجید کا ارشاد ملاحظہ ہو:۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ (الفتح :)

”بے شک ہم نے تمہیں بھیجا مشاہدہ والا اور خوشی اور ڈر سنانے والا تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔“

معلوم ہوا کہ ہر وہ تعظیم جو خلافِ شرع نہ ہو حضور کی کی جائے یعنی انہیں اللہ یا اللہ کی مثل نہ کہو باقی احترام کے جو الفاظ ملیں وہ عرض کر دیا کرو اور ہر قسم کی تعظیم و توقیر کرو، اس میں کوئی قید نہیں ہے لہٰذا آپ کی تعظیم فرض ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ (المائدہ :)

”اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا مسلمانوں پر

نرم اور کافروں پر سخت، اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔“

معلوم ہوا کہ بعض مسلمان ہو کر مرتد ہو گئے تھے، بعض نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، بعض نے مسیلمہ کذاب کو نبی مان لیا تو یہ لوگ مرتد ہو گئے تھے، ان کے خلاف زمانہ خلافتِ صدیقی میں باتفاقِ صحابہ کرام جہاد ہوا اور انہیں جہنم رسید کیا گیا لہٰذا مرتد کی سزا قتل ہے جو اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہے۔

قرآنِ مجید کی اس آیت میں گستاخ مرتدوں کی ذلت کا بیان ہے:۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝ (المجادلہ: ۵)

”بیشک وہ جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی ذلیل کئے گئے جیسے ان سے اگلوں کو ذلت دی گئی اور بے شک ہم نے روشن آیتیں اتاریں اور کافروں کے لئے خواری کا عذاب ہے۔“

صاف واضح ہے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت ایک ہی ہے اور ایسے گستاخ مرتدوں کے لئے ذلت والا عذاب ہوگا اور گستاخ ہمیشہ دنیا و آخرت میں ذلیل ہی ہوں گے اگرچہ دنیا بھر کی سپر پاور حکومتیں ان کی پشت پناہی کریں، گستاخ اور گستاخوں کی حمایت کرنے والے سب ہی ذلیل اور عذابِ دنیا و آخرت میں مبتلا ہوں گے۔

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (الاعراف: ۱۵۷)

”تو وہ لوگ جو ان پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہی بامراد ہوئے۔“

اس سے واضح ہوا کہ حضور کی تعظیم قولاً و عملاً ہر طرح سے لازمی اور فرض ہے بلکہ ایمانِ کامل کا رکن ہے۔

مرتد گستاخ کا حکم احادیث سے

احادیثِ مبارکہ میں مرتد کے قتل کرنے کا حکم کئی طرح موجود ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ مرتد کے واجب القتل ہونے کا ذکر رسول ہی زبانِ اقدس سے بلاحظہ کریں، آپ کا ارشاد مبارک ہے:۔

مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ (بخاری)

جو شخص (یعنی مسلمان) اپنا دین بدل دے تو اسے قتل کر دو۔

اس حدیث سے صریحاً ثابت ہوا کہ مرتد کی سزا قتل ہی ہے۔

اس حدیث کو روایت کرنے والے جلیل القدر صحابہ کرام میں حضرتِ ابوبکر، حضرت عثمان، حضرتِ علی، حضرتِ معاذ بن جبل، حضرتِ ابو موسٰے اشعری، حضرتِ عبداللہ بن عباس اور حضرتِ خالد بن ولید وغیرہ۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

کچھ لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خدا مان لیا اور صحابہ کرام پر تبرّا کرنے لگے، حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ کے پاس لائے گئے، آپ نے انہیں پہلے توبہ کرنے کا حکم دیا مگر انہوں نے انکار کر دیا، آپ نے خندق کھدوا کر اس میں آگ جلوائی، پھر جلتی آگ میں ان مرتدوں کو ڈال دیا جس کے ذریعہ وہ جل کر راکھ ہو گئے۔ (مرقاۃ و اشعۃ اللمعات)

معلوم ہوا کہ مرتد توبہ کرے یعنی دوبارہ مسلمان ہو کر آئندہ کے لئے توبہ کرے صرف توبہ نہیں بلکہ پہلے کلمۂ اسلام بھی پڑھے کیونکہ ارتداد سے ایمان ختم ہو جاتا ہے۔

حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ آخر زمانہ میں ایک قوم نکلے گی، نو عمر عقل کے ہلکے کلام کریں گے

مخلوق کے قول کے بہترین سے ان کا ایمان ان کے گلے سے نہ اترے گا، دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے:

فَاَيْنَمَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ فَاِنَّ فِيْ قَتْلِهِمْ اَجْرًا لِّمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف)

"تم جہاں انہیں پاؤ قتل کر دو کہ ان کے قتل میں قیامت کے دن ثواب ہے اسے جو انہیں قتل کرے" (مسلم و بخاری)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُّسْلِمٍ يَّشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا بِاِحْدٰى ثَلٰثٍ اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالثَّيِّبُ الزَّانِيْ وَالْمُفَارِقُ لِدِيْنِهٖ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ۔

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسلمان ہو اور شہادت دیتا ہو اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور اس بات کی کہ میں اللہ کا رسول ہوں اس کا خون تین جرائم کے سوا کسی صورت میں حلال نہیں، ایک یہ کہ اس نے کسی کی جان لی ہو اور قصاص کا مستحق ہو گیا ہو، دوسرے یہ کہ وہ شادی شدہ ہو اور زنا کرے، تیسرے یہ کہ اپنے دین کو چھوڑ دے اور جماعت سے الگ ہو جائے۔" (بخاری: کتاب الدیۃ و مسلم: کتاب القسامۃ و ابوداؤد: کتاب الحدود باب الحکم فی من ارتد)

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُّسْلِمٍ اِلَّا رَجُلٌ زَنٰى بَعْدَ اِحْصَانِهٖ اَوْ كَفَرَ بَعْدَ اِسْلَامِهٖ اَوِ النَّفْسُ بِالنَّفْسِ۔ (نسائی باب ذکر ما یحل بہ دم المسلم)

" رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں اِلّا یہ کہ اس نے شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کیا ہو یا مسلمان ہونے کے بعد کفر کو اختیار کیا ہو یا کسی کی جان لی ہو "۔

حضرت عثمان سے روایت ہے :

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُّسْلِمٍ اِلَّا بِاِحْدٰی ثَلٰثٍ رَجُلٌ کَفَرَ بَعْدَ اِسْلَامِہٖ اَوْ زَنٰی بَعْدَ اِحْصَانِہٖ اَوْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ (نسائی)

" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں بجز تین صورتوں کے ، ایک یہ کہ کوئی شخص اسلام لانے کے بعد کافر ہوگیا ہو دوسرے یہ کہ وہ قتل کا مرتکب ہو بغیر اس کے کہ اسے جان کے بدلے جان لینے کا حق حاصل ہوا ہو "۔

حضرت عثمان ہی سے دوسری روایت یہ ہے :۔

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُّسْلِمٍ اِلَّا بِاِحْدٰی ثَلٰثٍ رَجُلٌ زَنٰی بَعْدَ اِحْصَانِہٖ فَعَلَیْہِ الرَّجْمُ اَوْ قَتَلَ عَمَدًا فَعَلَیْہِ الْقَوَدُ اَوِ ارْتَدَّ بَعْدَ اِسْلَامِہٖ فَعَلَیْہِ الْقَتْلُ۔ (نسائی باب الحکم فی المرتد)

" میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین جرائم کے بدلہ میں ، ایک یہ کہ کسی نے شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کیا ہو ، اس کی سزا سنگساری ہے ، دوسرے یہ کہ عمداً کسی نے قتل کا ارتکاب کیا ہو ، اس پر قصاص ہے ، تیسرے یہ کہ کوئی ایمان لانے کے بعد مرتد ہوگیا ہو ، اس کی سزا قتل ہے "۔

نتیجہ

ان احادیث سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ جو مسلمان دینِ اسلام کو چھوڑ جاتا ہے وہ مرتد ہو جاتا ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے۔

حضرتِ ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے :۔

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَہٗ اِلَی الْیَمَنِ ثُمَّ اَرْسَلَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ فَاَلْقٰی لَہٗ اَبُوْ مُوْسٰی وِسَادَۃً لِیَجْلِسَ عَلَیْھَا فَاُتِیَ بِرَجُلٍ کَانَ یَہُوْدِیًّا فَاَسْلَمَ ثُمَّ کَفَرَ فَقَالَ مُعَاذٌ لَا اَجْلِسُ حَتّٰی یُقْتَلَ قَضَاءُ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَلَمَّا قُتِلَ قَعَدَ۔

" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو (حضرتِ ابو موسیٰ اشعری کو) یمن کا حاکم مقرر کرکے بھیجا ، پھر اس کے بعد معاذ بن جبل کو ان کے معاون کی حیثیت سے روانہ کیا ، جب معاذ وہاں پہنچے تو انہوں نے اعلان کیا لوگو ! میں تمہاری طرف اللہ کے رسول کا فرستادہ ہوں ۔ ابو موسےٰ اشعری نے ان کے لئے تکیہ رکھا تاکہ اس سے ٹیک لگا کر بیٹھیں ، ات[illegible]ب ایک شخص پیش ہوا جو پہلے یہودی تھا پھر مسلمان ہوا پھر یہودی ہوگیا ، م[illegible]نے کہا میں ہرگز نہیں بیٹھوں ، تب تک کہ یہ شخص قتل نہ کر دیا جائے اللہ اور اس کے رسول کا یہی فیصلہ ہے معاذ نے یہ بات تین دفعہ کہی ، آخر کار جب وہ قتل کر دیا گیا تو معاذ بیٹھ گئے "۔

(نسائی باب حکم المرتد ، بخاری باب حکم المرتد والمرتدۃ ، ابوداؤد باب الحکم فی من ارتد)

یاد رہے کہ حضرت معاذ نے فرمایا انی رسول رسول اللہ بے شک میں اللہ کے رسول کا قاصد اور بھیجا ہوا ہوں تو اس سے ظاہر ہے کہ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری زمانہ کا ہے اور اگر یہ قتل مرتد جائز نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس واقعہ پر

تشویش فرماتے لیکن ایسا نہ کرنا دلیل ہے کہ قتلِ مرتد ضروری تھا حالانکہ حضرتِ ابوموسیٰ اشعری گورنر تھے اور حضرت معاذ بن جبل وائس گورنر کی حیثیت سے تھے اور گورنر کی خطاء پر تفتیش ضروری تھی۔

حضرتِ عبداللہ بن عباس سے روایت ہے :-

كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي سَرْحٍ يَكْتُبُ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَزَلَّهُ الشَّيْطٰنُ فَلَحِقَ بِالْكُفَّارِ فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُقْتَلَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَاسْتَجَارَ لَهُ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فَأَجَارَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

"عبداللہ بن ابی سرح کسی زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب (سیکرٹری) تھا پھر شیطان نے اس کو پھسلایا اور وہ کفار سے جاملا جب مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے مگر بعد میں حضرتِ عثمان نے اس کے لئے پناہ مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پناہ دے دی۔"

(ابوداؤد : کتاب الحدود، باب الحکم فی من ارتد)

حضرتِ عائشہ صدیقہ سے روایت ہے :-

إِنَّ امْرَأَةً ارْتَدَّتْ يَوْمَ أُحُدٍ فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُسْتَابَ فَإِنْ تَابَتْ وَإِلَّا قُتِلَتْ۔ (بیہقی)

"جنگِ احد کے موقع پر (جبکہ مسلمانوں کو عارضی شکست ہوئی) تو ایک عورت مرتد ہو گئی۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے توبہ کرائی جائے اور اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔"

حضرتِ جابر بن عبداللہ سے روایت ہے :-

إِنَّ امْرَأَةً أُمَّ رُومَانَ ارْتَدَّتْ فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَنْ يُعْرَضَ عَلَيْهَا الْإِسْلَامُ فَإِنْ تَابَتْ وَإِلَّا قُتِلَتْ۔

(دارقطنی، بیہقی)

"ایک عورت ام رومان نامی مرتد ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کے سامنے پھر اسلام پیش کیا جائے پھر وہ توبہ کر لے تو بہتر ورنہ قتل کر دی جائے۔"

بیہقی کی دوسری روایت میں اس طرح ہے فَأَبَتْ أَنْ تُسْلِمَ فَقُتِلَتْ (اس نے اسلام سے انکار کیا اِس بناء پر قتل کر دی گئی)

اس روایت سے بھی واضح ہو گیا کہ مرتد اگر اسلام قبول نہ کرے تو ضروری ہے اسے قتل کیا جائے، مرتد کی سزا بطور حد کے سزائے موت ہے، یہ اسلامی قانون ہے۔

دورِ خلافتِ راشدہ کی چند نظیریں

دورِ خلافتِ راشدہ میں بھی مرتدین کے لئے دو راستے ہی متعین تھے کہ یا تو وہ دوبارہ اسلام کو قبول کر لیں یا پھر قتل کئے جائیں، تیسرا راستہ کوئی نہ تھا۔

۱۔ حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ام قرفہ نامی ایک عورت اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئی، حضرتِ ابوبکر نے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا مگر اس نے توبہ نہ کی تو حضرتِ ابوبکر نے اسے قتل کرا دیا۔ (دارقطنی و بیہقی)

۲۔ عمرو بن عاص حاکم مصر نے حضرتِ عمر کو لکھا کہ ایک شخص اسلام لایا تھا پھر وہ کافر ہو گیا، پھر اسلام لایا پھر کافر ہو گیا، یہ فعل کئی بار کر چکا ہے، اب اِس کا اسلام قبول کیا جائے یا نہیں؟ حضرتِ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جواب دیا کہ جب تک اللہ اس کا اسلام قبول

کرتا ہے تم بھی کئے جاؤ۔ اس کے سامنے اسلام پیش کرو، مان لے تو چھوڑ دو
ورنہ گردن مار دو۔ (کنز العمال)

۳۔ سعد بن ابی وقاص اور ابو موسےٰ اشعری نے تُستر کی فتح کے بعد حضرتِ عمر
کے پاس ایک قاصد بھیجا، قاصد نے حضرتِ عمر کے سامنے سارے حالات
کی رپورٹ پیش کردی آخر میں حضرتِ عمر نے پوچھا کوئی اور غیر معمولی بات؟ اس نے
عرض کیا ہاں، اے امیر المؤمنین! ہم نے ایک عرب کو پکڑا جو اسلام لانے کے
بعد کافر ہو گیا تھا۔ حضرتِ عمر نے پوچھا پھر تم نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ اس نے
کہا ہم نے اسے قتل کر دیا۔ اس پر حضرتِ عمر نے کہا تم نے ایسا کیوں نہ کیا کہ
اسے ایک کمرے میں بند کر کے دروازہ کا تیغہ لگا دیتے پھر تین دن تک روزآنہ
ایک روٹی اس کے پاس پھینکتے رہتے، شاید کہ اس دوران وہ توبہ کر لیتا!
پھر بارگاہِ ایزدی میں عرض کی کہ خدایا! یہ کام میرے حکم سے نہیں ہوا، نہ میرے
سامنے ہوا، نہ میں اسے سن کر راضی ہوا، لیکن حضرتِ عمر نے اس پر حضرتِ سعد
اور حضرتِ ابو موسےٰ اشعری سے کوئی سختی نہ فرمائی اور نہ کوئی سزا تجویز کی۔

(الطحاوی، کتاب السیر نیز مؤطا و بیہقی، کتاب الاُم للشافعی)

اِس واقعہ سے ثابت ہوا کہ مرتد کے لئے مستحب یہ ہے کہ پہلے اس کے
سامنے تین روز تک اسلام پیش کیا جائے، اگر مان گیا تو چھوڑ دیا جائے ورنہ اسے قتل
کر دیا جائے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرتِ سعد اور ابو موسےٰ اشعری کا عمل بھی قانون کی حدود
میں تھا گو حضرتِ عمر کی رائے میں توبہ کا موقع دینا زیادہ بہتر تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ بنی حنیفہ کی ایک مسجد میں
کچھ لوگ شہادت دے رہے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ
نے پولیس بھیجی اور انہیں گرفتار کر لیا۔ جب وہ لوگ ان کے سامنے پیش ہوئے تو

سب نے توبہ کر لی اور اقرار کیا کہ ہم آئندہ ایسا نہ کریں گے۔

حضرتِ عبداللہ نے اوروں کو چھوڑ دیا مگر ان میں سے ایک شخص عبداللہ
ابن النواحہ کو موت کی سزا دی۔ لوگوں نے کہا یہ کیا معاملہ ہے کہ آپ نے ایک مقدمہ
میں دو مختلف فیصلے کئے؟ حضرتِ عبداللہ نے جواب دیا کہ یہ ابن النواحہ وہ شخص ہے
جو مسیلمہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سفیر بن کر آیا تھا، میں اس وقت
حاضر تھا، ایک دوسرا شخص حجر بن وثال بھی اس کے ساتھ سفارت میں شریک تھا،
آنحضرت نے ان دونوں سے پوچھا کیا تم شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟
ان دونوں نے جواب دیا کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے؟ اس پر
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر سفارتی وفد کو قتل کرنا جائز ہوتا تو میں تم دونوں کو قتل کر دیتا۔

یہ واقعہ بیان کر کے حضرتِ عبداللہ نے کہا میں نے اسی وجہ سے ابن النواحہ
کو سزائے موت دی ہے۔ (الطحاوی حوالہ مذکورہ)

معلوم ہوا کہ یہ دونوں شخص پہلے مسلمان تھے بعد میں مرتد ہو کر مسیلمہ کو نبی
ماننے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارت کے پیشِ نظر ان کو چھوڑ دیا تھا ورنہ آپ انہیں
قتل کرا دیتے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ مرتد کی سزا سزائے موت ہے۔

یہ واقعہ حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت کا ہے، اس وقت حضرتِ
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ان کے ماتحت کوفہ کے چیف جج تھے۔

مرتد کے قتل پر ائمہ مجتہدین کا اتفاق

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ ان کی کتاب مؤطا میں یوں لکھا
ہے کہ زید بن اسلم سے مالک نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنا
دین بدلے اس کی گردن مار دو۔ اس حدیث کے متعلق مالک نے فرمایا جہاں تک ہم سمجھ سکتے ہیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اسلام سے نکل کر کسی دوسرے طریقے کا پیرو ہو جاتا ہے مگر اپنے کفر کو چھپا کر اسلام کا اظہار کرتا ہے جیسا کہ زندیقوں اور اس طرح کے دوسرے لوگوں کا ڈھنگ ہے تو اس کا جرم ثابت ہو جانے کے بعد اسے قتل کر دیا جائے اور توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے کیونکہ ایسے لوگوں کی توبہ کا بھروسہ نہیں کیا جا سکتا اور جو شخص اسلام سے نکل کر علانیہ دوسرے طریقے کی پیروی اختیار کرے۔ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے، توبہ کرلے تو خیر، ورنہ قتل کیا جائے۔

(باب القضاء فی من ارتد عن الاسلام)

حنابلہ کا مذہب ہے ان کی مستند کتاب المغنی میں ہے۔

امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کی رائے یہ ہے کہ جو عاقل و بالغ مرد یا عورت اسلام کے بعد کفر اختیار کرے اس کو تین دن تک توبہ کی مہلت دی جائے۔ اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے اور یہی رائے حسن بصری، زہری، ابراہیم نخعی، مکحول، حماد، مالک، لیث، اوزاعی، شافعی اور اسحٰق بن راہویہ کی ہے۔ (جلد ۱، ص ۷۴، المغنی)

مذہب حنفی کی تصریح امام طحاوی نے اپنی کتاب شرح معانی الآثار میں اس طرح سے کی ہے :۔

قَدْ تَكَلَّمَ النَّاسُ فِي الْمُرْتَدِّ عَنِ الْإِسْلَامِ أَيُسْتَتَابُ أَمْ لَا فَقَالَ قَوْمٌ إِنِ اسْتَتَابَ الْإِمَامُ الْمُرْتَدَّ فَهُوَ أَحْسَنُ فَإِنْ تَابَ وَإِلَّا قُتِلَ۔ (کتاب السیر، طحاوی بحث استتابۃ المرتد)

"اسلام سے مرتد ہونے والے شخص کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف اِس امر میں ہے کہ آیا اِس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے یا نہیں؟ ایک گروہ کہتا ہے کہ اگر امام اس سے توبہ کا مطالبہ کرے تو زیادہ بہتر ہے پھر اگر وہ شخص توبہ کرلے تو چھوڑ دیا جائے ورنہ قتل کر دیا جائے۔"

وَمِمَّنْ قَالَ ذٰلِكَ أَبُو حَنِيفَةَ وَأَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ۔

امام ابو حنیفہ، ابو یوسف اور محمد رحمۃ اللہ علیہم ان لوگوں سے ہیں جنہوں نے یہ رائے اختیار کی ہے۔"

وَقَالَ الْآخَرُونَ لَا يُسْتَتَابُ وَجَعَلُوا حُكْمَهُ كَحُكْمِ الْحَرْبِيِّينَ عَلَى مَا ذَكَرْنَا مِنْ بُلُوغِ الدَّعْوَةِ إِيَّاهُمْ وَمِنْ تَقْصِيرِ عَنْهُمْ۔

"اور دوسرے اہل علم کہتے ہیں کہ اس سے توبہ نہ کرائی جائے، اس کا حال حربیوں کا سا ہے جیسا کہ ہم نے ان کے دعوت اسلام اور ان کے قصور کی نسبت بیان کی ہے۔"

یعنی جن حربی کافروں تک ہماری دعوت پہنچ چکی ہے، جنگ شروع کرنے سے پیشتر اسلام کی دعوت دینا غیر ضروری ہے البتہ جن کو دعوت نہ پہنچی ہو ان پر حملہ آور ہونے سے پیشتر حجت تمام کرنی ضروری ہے۔ اِسی طرح جو شخص اسلام سے ناواقفیت کی بنا پر مرتد ہوا ہو اس کو پہلے تو سمجھا کر اسلام کی طرف واپس لانے کی کوشش کرنی چاہیئے مگر جو شخص سوچ سمجھ کر اسلام سے نکلا ہو اسے توبہ کی دعوت دئے بغیر قتل کر دیا جائے۔

امام ابو یوسف کا ایک قول اسی رائے کی تائید میں ہے چنانچہ کتاب الاملاء میں فرماتے ہیں :۔

أَقْتُلُهُ وَلَا أَسْتَتِيبُهُ إِلَّا أَنَّهُ إِنْ بَدَرَنِي بِالتَّوْبَةِ خَلَّيْتُ سَبِيلَهُ وَوَكَلْتُ أَمْرَهُ إِلَى اللّٰهِ۔

"کہ میں مرتد کو قتل کروں گا اور توبہ کا مطالبہ نہ کروں گا، ہاں اگر وہ خود ہی جلدی کر کے توبہ کرلے تو میں اسے چھوڑ دوں گا اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے کر دوں گا۔" (کتاب السیر طحاوی)

ہدایہ مذہبِ حنفی کی معتبر درسی کتاب ہے اس کے باب احکام المرتدین میں ہے :۔

إِذَا ارْتَدَّ الْمُسْلِمُ عَنِ الْإِسْلَامِ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ عُرِضَ عَلَيْهِ الْإِسْلَامُ فَإِنْ كَانَتْ لَهُ شُبْهَةٌ كُشِفَتْ عَنْهُ۔

" جب کوئی شخص اسلام سے پھر جائے (العیاذ باللہ) تو اس کے سامنے اسلام پیش کیا جائے، اگر اسے کوئی شبہ ہو تو اسے صاف کیا جائے یعنی دور کیا جائے ۔"

لِأَنَّهُ عَسَاهُ اعْتَرَتْهُ شُبْهَةٌ فَتُزَاحُ وَفِيهِ دَفْعُ شَرِّهِ بِأَحْسَنِ الْأَمْرَيْنِ إِلَّا أَنَّ الْعَرْضَ عَلَى مَا قَالُوا غَيْرُ وَاجِبٍ لِأَنَّ الدَّعْوَةَ بَلَغَتْهُ۔

" کیونکہ بہت ممکن ہے کہ وہ کسی شبہ میں مبتلا ہو اور ہم اس کا شبہ دور کر دیں تو اس کا شر ایک بدتر صورت (یعنی قتل) کی بجائے ایک بہتر صورت (یعنی دوبارہ قبولِ اسلام) سے دفع ہو جائے مگر مشائخ فقہاء کے قول کے مطابق اس کے سامنے اسلام پیش کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ اسلام کی دعوت تو اسے پہنچ چکی ہے ۔" (ہدایہ : باب احکام المرتدین)

قَالَ وَيُحْبَسُ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ فَإِنْ أَسْلَمَ وَإِلَّا قُتِلَ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ الْمُرْتَدُّ يُعْرَضُ عَلَيْهِ الْإِسْلَامُ حُرًّا كَانَ أَوْ عَبْدًا فَإِنْ أَبَى قُتِلَ۔

" اور مرتد کو تین دن تک بند کیا جائے، اگر اسلام لائے (تو بہتر ہے) اگر اسلام نہ لائے تو قتل کر دیا جائے اور جامع صغیر میں ہے کہ مرتد پر اسلام پیش کیا جائے آزاد ہو یا غلام ہو، پس اگر وہ انکار کر دے تو اسے قتل کر دیا جائے ۔"

فقہِ مالکی میں ہے کہ جو شخص نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے تو اس کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہے :۔

وَمِنَ الْأُمُورِ الْمُكَفِّرَةِ الَّتِي لَا تُقْبَلُ التَّوْبَةُ عِنْدَ الْمَالِكِيَّةِ سَبُّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوِ التَّعْرِيضُ بِمَقَامِهِ الْكَرِيمِ وَلَا يَنْفَعُ فِيهِ أَنْ يَقُولَ إِنَّهُ لَمْ يَتَعَمَّدْ أَوْ كَانَ غَضْبَانًا فَلَا يَدْرِي أَوْ كَانَ مُتَهَوِّرًا فِي كَلَامِهِ فَسَبَقَ لِسَانُهُ فَمَنْ وَقَعَ مِنْهُ شَيْءٌ مِنْ ذٰلِكَ قُتِلَ حَدًّا لَا كُفْرًا فَلَا يَسْقُطُ عَنْهُ الْقَتْلُ بِالتَّوْبَةِ وَالرُّجُوعِ إِلَى الْإِسْلَامِ لِأَنَّ سَبَّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَزَاءُهُ الْإِعْدَامُ حَدًّا وَالْحُدُودُ لَا تَسْقُطُ بِالتَّوْبَةِ۔ (کتاب الفقہ علے المذاہب الاربعۃ ، کتاب النکاح)

" بعض ایسے امورِ کفر ہیں کہ جن سے توبہ قبول نہیں کی جاتی ہے فقہ مالکیہ میں، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینا ہے یا آپ کے مقام کریم پر تعریض کرنا ہے، اس مسئلہ میں یہ کہنا کہ اس کے مرتکب نے قصداً نہیں کہا یا وہ غضب و غصہ کی حالت میں نہ سمجھ سکا یا وہ گفتگو میں تیز و جلد باز تھا، اس کی زبان سبقت کر گئی اور کسی طرح کے عذر ہوں تو جس کسی سے گستاخی واقع ہو گئی اسے قتل کر دیا جائے گا بطور حد کے نہ بطور کفر محض کے، توبہ کرنے سے اس کا قتل ساقط نہ ہو گا اور رجوع الی الاسلام سے بھی قتل معاف نہ ہو گا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینا اس کی سزا بطور حد کے اس کو ختم کرنا ہے اور حدود توبہ کرنے سے ساقط و معاف نہیں ہو سکتیں ۔"

أَحَدُهُمَا أَنْ يُقْتَلَ حَدًّا وَلَا تُقْبَلُ تَوْبَتُهُ كَمَا يَقُولُ الْمَالِكِيَّةُ۔

" فقہِ مالکی میں ہے کہ گستاخی و توہین کرنے والے کو بطور حد کے قتل کیا جائے

اوراس کی توبہ قبول نہ کی جائے"۔

(الفقہ علی المذاہب الاربعۃ : کتاب النکاح)

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ۔

یہ آیت کئی وجوہ سے بتارہی ہے کہ دینِ اسلام میں طعن کرنا، اسلام کی گستاخی کرنا کفر ہے ارتداد ہے، ایسے مرتدوں کے لئے سوائے قتل کے اور کچھ سزا نہیں ہے، ان کے لئے صرف سزائے موت ہے۔

۱۔ اس آیت میں آیا ہے وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ اگر وہ لوگ اپنے عہد (ایمان واسلام) کو توڑدیں اور دینِ اسلام میں طعنے دینا شروع کردیں اور دینِ اسلام کی اہانت وگستاخی کریں، ایسے ہی وہ ذمّی کافر جو اسلامی اسٹیٹ میں رہتے ہیں اور اسلامی حکومت کے امن وحفاظت میں ان کی جان ومال محفوظ ہے یا ان کو اپنے مذہبی معاملات کی پوری آزادی بھی حاصل ہے، ایسے ذمّی کافر اگر اسلام کی گستاخی واہانت کریں تو ان کا عہد اور ذمہ داری ختم ہوجاتی ہے لہٰذا ایسے گستاخ مرتد، کفر وگستاخی کے پیشوا ہیں، ان کو قرآن نے ائمۂ کفر کہا ہے اور ایسے کفر کے لیڈروں کو قتل کرو تاکہ گستاخی اور اہانتِ دین کا فتنہ ختم ہوجائے اور عالمی امن کو خطرہ بھی پیش نہ آئے، اللہ تعالےٰ کے لائے ہوئے دینِ حق کی عزت محفوظ رہے، اللہ تعالےٰ اور اس کے نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دوسرے سچے انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان، اعتماد اور احترام ومحبت میں کمزوری بھی پیدا نہ ہو، بندہ بالکل آزاد ہوکر اپنے مالکِ حقیقی اللہ تعالےٰ سے باغی ہوکر اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے دوزخی بھی نہ بنائے۔ اس فلسفہ سے معلوم ہوجاتا ہے کہ مرتد گستاخ دوسروں کے ایمان ونجات اور سلامتی کیلئے بھی بڑا فتنہ ہوتا ہے اور اپنے لئے بھی ہمیشہ کے لئے جہنمی ہونے کا چیلنج وسامان ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ خوب جانتا ہے کہ ایسے کفر کے لیڈروں کو ختم کرنے سے اللہ تعالےٰ کے ساتھ

بغاوت بھی نہ ہوگی اور نہ ہی کوئی مرتد دوسروں کے ایمان کو کمزور کرسکے گا۔ اصل میں مرتد کا قتل ایمان والوں کو بھی جہنم کی ہمیشہ کی زندگی سے بچاکر جنت کی ہمیشہ کی زندگی دے گا اور دنیا میں گستاخانہ ارتداد کا خاتمہ اس لئے ضروری ہے تاکہ عالمی امن محفوظ رہے۔

۲۔ اِس آیت میں دو چیزوں کا بیان ہے ایک یہ کہ مسلمان ہوں یا ذمّی کافر وہ دین کا احترام کریں، یہ عہد ومعاہدہ سب کے لئے ضروری ہے، مسلمان کے لئے احترامِ دین کو اختیار کرنا فرض ہے اور دین کی ضروریات سے ہے اور ذمی کافر کو بھی امن اس لئے دیا گیا کہ وہ اسلامی ملک کے خلاف بغاوت نہ کرے۔

جب یہ عہد اتنا ضروری ہے تو اسلامی ملک کے اندر دینِ اسلام کے خلاف بغاوت بغاوت نہ کرنا اور زیادہ ضروری ہوجاتا ہے، دونوں صورتوں میں مسلمان اور ذمی کافر دونوں پابند ہیں کہ ملک اور دین کے احترام کو قائم رکھیں۔ جب یہ معاہدہ لوگ توڑدیں تو حکم ہوتا ہے کہ ایسے لوگ ملک اور دینِ اسلام کے لیڈر نہیں بن سکتے بلکہ اسلامی ملک اور دینِ اسلام کے خلاف حربی کافر کے حکم میں آگئے، اب ان کفر کے لیڈروں کو ختم کریں تاکہ ارتداد کا فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے اس لئے عہد توڑنے کے بعد دین میں طعن کرنے کا ذکر الگ آگیا کہ قتل کرنے کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دینِ اسلام کو طعنے دینا شروع کردے، دین کی اہانت و گستاخی کرے تو یہ سب سے بڑا جرم ہے اور یہ جرم بڑا سبب ہے کہ ایسے مرتدوں کو قتل کیا جائے تاکہ دینِ اسلام طعن واہانت کی زد سے نکل کر بلند تر ہوکر رہے۔

گستاخ مرتد کے قتل کرنے پر اجماعِ امّت ہے

گستاخ مرتد وہ شخص ہے کہ اسلام لانے کے بعد کسی ضروری دینی امر کا انکار بھی کرے اور انکار کے ساتھ ساتھ اس کی اہانت وگستاخی بھی کرے یعنی زبان سے کلمۂ کفر بکے اور

ایسا انداز گستاخانہ اختیار کرے جس میں تاویل صحیح کی گنجائش نہ ہو، جو شخص بطور تمسخر اور ٹھٹھے کے کفر کرے گا وہ بھی مرتد ہے اگرچہ یہ کہے کہ اس کا اعتقاد کفر نہ تھا :-

وَمَنْ هَزَلَ بِلَفْظِ كُفْرٍ اِرْتَدَّ وَاِنْ لَّمْ يَعْتَقِدْهُ لِلْاِسْتِخْفَافِ فَهُوَ كَكُفْرِ الْعِنَادِ۔

"جس نے مذاق سے لفظِ کفر کہا، مرتد ہو گیا اگرچہ کفر کا اعتقاد بطورِ استخفاف نہ رکھتا ہو پھر بھی وہ کفر عناد کی طرح ہے۔" (درمختار باب المرتد)

اور مرتد لغت میں مطلقاً رجوع کرنے والے کو کہتے ہیں اور شریعت میں :

اَلرَّاجِعُ عَنْ دِيْنِ الْاِسْلَامِ وَرُكْنُهَا اِجْرَآءُ كَلِمَةِ الْكُفْرِ عَلَى اللِّسَانِ بَعْدَ الْاِيْمَانِ۔

"جو شخص دینِ اسلام سے رجوع کرنے والا ہو یعنی دینِ اسلام سے پھرنے والا وہ مرتد ہوتا ہے اور ارتداد کا رکن (بنیادی رکن) ایمان کے ہوتے ہوئے کفر کا کلمہ زبان پر جاری کرنا ہے۔"

اور ایمان کی تعریف یہ ہے :-

هُوَ تَصْدِيْقُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَمِيْعِ مَا جَآءَ بِهٖ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى مِمَّا عُلِمَ مَجِيْئُهٗ ضَرُوْرَةً۔ (مختار)

"اور ایمان حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا ہے تمام ان امور میں جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اور ان کا ثبوت قطعی یقینی ہو۔"

اور تصدیق کہتے ہیں :

مَعْنَى التَّصْدِيْقِ قُبُوْلُ الْقَلْبِ

"تصدیق کا معنٰے دل سے قبول کرنا ہے۔"

وَاِذْعَانُهٗ لِمَا عُلِمَ بِالضَّرُوْرَةِ اَنَّهٗ مِنْ دِيْنِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَيْثُ تَعْلَمُهُ الْعَامَّةُ مِنْ غَيْرِ افْتِقَارٍ اِلٰى نَظَرٍ وَّاسْتِدْلَالٍ كَالْوَحْدَانِيَّةِ وَالنُّبُوَّةِ وَالْبَعْثِ وَالْجَزَآءِ وَوُجُوْبِ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَحُرْمَةِ الْخَمْرِ وَنَحْوِهَا۔

(ردالمحتار باب المرتد)

"یعنی تصدیق کا معنٰے دل سے قبول کرنا اور اس کا اذعان و یقین یہ ہے کہ آدمی واضح طور پر جانے کہ یہ دینِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ہر عام باشعور آدمی اسے جانتا ہو کہ یہ دینِ اسلام سے ہے اور اس جاننے میں کسی غور و خوض اور دلیل کا محتاج نہ ہو جیسے توحید، نبوت، قیامت میں اٹھنا اور جزاء، نماز کا اور زکوٰۃ کا واجب ہونا اور شراب کا حرام ہونا وغیرہا امورِ ضروریاتِ دین سے ہیں ان کو دل سے قبول کرنا اور زبان سے اقرار کرنا ایمان ہے اور ان ضروریاتِ دین کا انکار کرنا ارتداد ہے۔"

یاد رہے کہ اگر اصلی کافر بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے، اہانت کرے گو کہ وہ عورت ہو تو اسے بھی قتل کرنے کا حکم ہے کہ یہ اہانت ہے جو ارتداد کا اعلیٰ فرد ہے۔

نَعَمْ قَدْ يُقْتَلُ الْكَافِرُ وَلَوْ امْرَأَةً اِذَا اَعْلَنَ بِشَتْمِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ردالمحتار باب المرتد)

"کافر کو بھی قتل کیا جائے گا اگرچہ عورت ہو جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلے عام گالیاں دیں۔"

وَالْمُرْتَدُّ يُقْتَلُ لِاَنَّ كُفْرَهٗ اَغْلَظُ۔ (ردالمحتار)

"اور مرتد کو قتل کیا جائے گا اس لئے کہ اس کا کفر زیادہ سخت ہے۔"

اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اصل کافر سے اتنا زیادہ اسلام کو نقصان نہیں پہنچ سکتا

جتنا زیادہ نقصان مرتد سے پہنچ سکتا ہے کیونکہ مرتد اسلام میں آکر پھر اسلام سے نکل کر
زیادہ سخت ہو جاتا ہے اور اہلِ ایمان کے ایمان کو کمزور بنانے کا باعث بنتا ہے
اور اسلام دشمنی میں زیادہ دلیر ہو جاتا ہے لہٰذا ایسے مرتد کا قتل ضروری ہو جاتا ہے:

فَظَاهِرُهُ اَنَّهُ يُقْتَلُ مُطْلَقًا وَهُوَ مُوَافِقٌ لِّمَا اَفْتٰى بِهِ
الْخَيْرُ الرَّمْلِيُّ وَالْحَقُّ اَنَّهُ يُقْتَلُ عِنْدَنَا اِذَا اَعْلَنَ بِشَتْمِهٖ
عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔

"پس ظاہر کلام یہ ہے کہ شاتم رسول کو مطلقاً قتل کر دیا جائے اور یہ خیر الرملی
کے فتوے کے موافق ہے اور حق یہ ہے کہ شاتمِ رسول کو ہمارے نزدیک قتل
کیا جائے جب وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھلے عام گالیاں دے۔"

اور اگر عورت ایسا کرے تو اسے بھی قتل کیا جائے گا، اس پر امام محمد نے سیر کبیر میں دلیل
بیان کی ہے:۔

جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ
سَمِعْتُ امْرَاَةً مِّنْ يَهُوْدَ وَهِيَ تَشْتِمُكَ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهَا
لَمُحْسِنَةٌ اِلَيَّ فَقَتَلْتُهَا فَاَهْدَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
دَمَهَا۔ (رد المحتار)

"ایک مرد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ
میں نے ایک یہودی عورت کو سنا کہ وہ آپ کو گالیاں دے رہی تھی، اللہ کی
قسم یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے ہاں وہ اسی قابل تھی کہ میں نے اسے قتل کر دیا
تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے خون کو رائیگاں فرما دیا۔"

حالانکہ حربی کافروں کی عورتوں کو لونڈیاں بنانے کا حکم ہے لیکن اس حکم کے عموم سے وہ حربی
عورتیں الگ سمجھی جائیں گی جو اعلانیہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں، ان کا حکم

قتل ہے اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اہلِ ایمان جب یہ یقین کر جائیں کہ فلاں شخص گستاخ رسول ہے
تو اسے ایمانی غیرت کی بنا پر قتل کرنے کی اجازت ہوتی ہے وہاں فتووں اور مظاہروں یا
اسلامی حکومت کے اعلان کی انتظار نہ کرے، یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل تھا۔

کفریہ کلمات کو زبان سے کہنے کا معیارِ فقہی

ثُمَّ قَالَ فِي الْبَحْرِ وَالْحَاصِلُ اَنَّ مَنْ تَكَلَّمَ بِكَلِمَةِ الْكُفْرِ
هَازِلًا اَوْ لَاعِبًا كَفَرَ عِنْدَ الْكُلِّ وَمَنْ تَكَلَّمَ بِهَا مُخْطِئًا اَوْ
مُكْرَهًا لَا يَكْفُرُ عِنْدَ الْكُلِّ وَمَنْ تَكَلَّمَ بِهَا عَامِدًا عَالِمًا
كَفَرَ عِنْدَ الْكُلِّ وَمَنْ تَكَلَّمَ بِهَا اخْتِيَارًا جَاهِلًا بِاَنَّهَا كُفْرٌ
فَفِيْهِ اخْتِلَافٌ اھ (رد المحتار)

"بحر الرائق میں فرمایا، خلاصہ یہ ہے کہ جس نے کفری کلمہ مذاق اور کھیل
کے طور پر کہا تو کافر ہو جائے گا، یہ سب فقہاء کے نزدیک ہے اور جس نے
غلطی و خطاء یا مجبوری کی حالت میں کفری کلمہ زبان سے بولا تو وہ سب کے
نزدیک کافر نہ ہو گا اور جس نے قصداً جانتے ہوئے کہ یہ کلمہ کفری ہے
پھر بھی زبان سے بولا تو سب کے نزدیک کافر ٹھہرے گا اور جس نے
کلمہ کفر اختیار سے بولا اور نہ جانتے ہوئے کہ یہ کفر کا کلمہ ہے تو اسمیں
اختلاف ہے۔"

یعنی بعض کے ہاں کافر ہو گا اور اس کا جاہل ہونا معتبر نہ ہو گا اور بعض کے نزدیک اسے
بتایا جائے گا کہ یہ کلمہ کفری ہے، بتانے کے باوجود توبہ نہ کی تو کافر ہو جائے گا اور اگر
توبہ کر گیا تو: لَا تُقْبَلُ تَوْبَتُهُمْ اَصْلًا (رد المختار) "ملحد و زندیق
کی توبہ بالکل قبول نہیں کی جائے گی۔"

مَنْ تَکَرَّرَتْ رِدَّتُہٗ وَسَابُّ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

وَسَابُّ الشَّیْخَیْنِ۔ (ردالمحتار)

" اور توبہ قبول نہ کی جائے گی جس کی رِدّت بار بار ہو چکی ہو اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ عنہما کو گالیاں دینے والے کی توبہ بھی قبول نہ ہوگی بلکہ قتل کئے جائیں گے "

وَکُلُّ مُسْلِمٍ اِرْتَدَّ فَتَوْبَتُہٗ مَقْبُوْلَۃٌ اِلَّا جَمَاعَۃً مَنْ تَکَرَّرَتْ رِدَّتُہٗ عَلٰی مَامَرَّ وَ الْکَافِرُ بِسَبِّ نَبِیٍّ مِّنَ الْاَنْبِیَآءِ فَاِنَّہٗ یُقْتَلُ حَدًّا وَّلَا تُقْبَلُ تَوْبَتُہُمْ مُطْلَقًا

(در مختار)

" ہر وہ مسلمان جس نے رِدّت کو اختیار کیا تو اس کی توبہ قبول مگر وہ جماعت (چند لوگ) جن کا ارتداد مکرر ہو چکا ہو جیسا کہ گزرا اور کافر کسی نبی کو گالی دینے تو بلاشک اسے بطور حد کے قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی "

یَعْنِیْ اَنَّ جَزَآءَ الْقَتْلِ عَلٰی وَجْہِ کَوْنِہٖ حَدًّا وَّلِذَا عَطَفَ عَلَیْہِ قَوْلَہٗ وَلَا تُقْبَلُ تَوْبَتُہٗ لِاَنَّ الْحَدَّ لَا یَسْقُطُ بِالتَّوْبَۃِ فَھُوَ عَطْفُ تَفْسِیْرٍ وَّاَفَادَاَنَّہٗ حُکْمُ الدُّنْیَا اَمَّا عِنْدَ اللّٰہِ تَعَالٰی فَھِیَ مَقْبُوْلَۃٌ کَمَا فِی الْبَحْرِ۔ (ردالمحتار)

" یعنی شاتمِ رسول کی سزا قتل بطورِ حد ہے اسی لئے ساتھ لائے کہ اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ حد توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتی تو قتل کرنے کی تفسیر یہ ہے اس کی توبہ قبول نہ ہوگی اور توبہ کا قبول نہ ہونا، اس نے یہ دنیاوی حکم بتا دیا مگر اللہ تعالےٰ کے نزدیک توبہ قبول ہوگی "

یاد رہے، اس پر سب کا اتفاق ہے کہ شاتمِ رسول توبہ کرنے سے قبل

واجب القتل ہے اور اس کا حکم مرتد کی طرح ہے، اگر مرتد توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے اور اگر رِدّت پر اصرار کرے تو بالاتفاق واجب القتل ہے۔

بعض ائمہ حنفیہ کا کہنا ہے کہ شاتمِ رسول کا حکم مرتد کے حکم کی طرح ہے قبل از توبہ واجب القتل اور توبہ کرنے پر ان کی توبہ قبول ہوگی لیکن بزازیہ اور فتح القدیر وغیرہ فقہاءِ حنفیہ فرماتے ہیں کہ شاتمِ رسول کو قتل کیا جائے، اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

کُلُّ مَنْ اَبْغَضَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِقَلْبِہٖ کَانَ مُرْتَدًّا فَالسَّابُّ بِطَرِیْقٍ اَوْلٰی ثُمَّ یُقْتَلُ حَدًّا عِنْدَنَا فَلَا تَعْمَلُ تَوْبَتُہٗ فِیْ اِسْقَاطِ الْقَتْلِ۔

(فتح القدیر، امام ابن ھمام حنفی، ج ۴، ص ۴۰۷)

" ہر وہ شخص جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے دل میں بغض رکھا وہ مرتد ہو جاتا ہے تو جو گالیاں دینے والا ہو وہ تو بطریقِ اولےٰ (مرتد) ہے پھر اسے بطورِ حد قتل کیا جائے گا پس اس کی توبہ کوئی کام نہیں کرے گی قتل ختم کرنے میں "

وَقَدَّمْنَا اَنَّہٗ لَا تُقْبَلُ تَوْبَۃُ السَّاحِرِ وَالزِّنْدِیْقِ فِیْ ظَاھِرِ الْمَذْھَبِ۔ (فتح القدیر)

" اور ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ ساحر (جادوگر) اور بے دین کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی ظاہرِ مذہب میں "

معلوم ہوا کہ شاتم الرسول کو قتل کرنا ہی سزا بطورِ حد متعین ہے، اس کی توبہ قبول نہ کی جائے، اگر زندیق بے دین اور جادوگر کی توبہ قبول نہیں کی جاتی ہے تو شاتمِ رسول کی توبہ کیونکر قبول ہو؟ تعجب ہے کیا جادوگر اور بے دین زیادہ بدتر کافر ہوتے ہیں شاتمِ رسول کے کفر و ارتداد سے؟ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ شاتمِ رسول ہر لحاظ سے بدتر مرتد ہے جو

کسی طرح کے فسادات کا باعث ہوتا ہے، قرآنِ پاک میں ہے :

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

"مشرک اور منافقوں کو قتل کرو اور ان پر سختی کرو"

ایسے ہی حدیثِ بخاری میں ہے :

مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ ۔

"جو دینِ اسلام چھوڑے اسے قتل کرو"

عقائد ہمیشہ قرآنِ پاک کے نصوص سے لیے جاتے ہیں اور ارتداد و اہانتِ رسول کا حکم قرآنِ پاک میں واضح طور پر موجود ہے اور صحیح احادیث میں ان کی تائید و توضیح عملاً وارد ہے لہٰذا شاتمِ رسول کے حق میں سزائے موت کا تعین صراحت سے ثابت ہے۔

سٹینک ورسز کا مصنف سلیمان رشدی بلاشک و شبہ اپنے ارتداد پر بار بار اصرار کر چکا ہے اور ایک سال سے اپنے موقف پر قائم ہے اور اس کے بیان کے مطابق وہ اس سے بھی زیادہ سخت تر لکھنے والا تھا تاکہ مسلمان لیڈروں کو دکھلائے کہ وہ کتنا سخت لکھ سکتا ہے۔

تعجب ہے کہ بعض فقہاء عام مرتد کو زیادہ سے زیادہ تین دن کی مہلت دینے کو مستحب سمجھتے ہیں اور اگر توبہ نہ کرے اور جس وجہ سے وہ مرتد ہو چکا ہے، اس ضروری دینی امر کو تسلیم نہ کرے تو اسے قتل کرنا ہی ضروری ہو جاتا ہے اور سلیمان رشدی اپنے ارتداد پر ابھی تک اصرار کے ساتھ قائم ہے پھر بھی کمزور علم و ایمان والے اسے مہلت دینے کی بات کرتے ہیں جبکہ شاتمِ رسول کے لئے تو مہلت یا قبولِ توبہ کی بھی ایسی اجازت نہیں ہے کہ جس سے قتل معاف ہو جائے۔ اسلام میں کم درجے کے جرائم اور بغاوت و الحاد و زندقہ و سحر وغیرہا پر تو قتل ضروری ہو اور بدتر اور غلیظ ترین ارتداد شتمِ رسول پر قبولِ توبہ کو اختیار کرنا کسی طرح مناسبت نہیں رکھتا ہے، نہ عقلِ سلیم اس

فیصلہ کو قبول کرتی ہے، مقامِ نبوت کی عظمت اگر محفوظ نہ رہے تو پھر اللہ تعالےٰ کی عظمت کیونکر باقی رہ سکے گی کیونکہ رسالت و نبوت اللہ تعالےٰ کی طرف سے خصوصی مرتبہ ہوتا ہے، جو وہ اپنے انتخابِ خاص کے ذریعے عطا فرماتا ہے جس میں انسان کے کسب و سعی کو دخل و اثر بالکل نہیں ہوتا، صرف اور صرف عطاءِ الٰہی کا نتیجہ و فیضان ہوتا ہے۔

نبوت و رسالت کوئی اکتسابی شے نہیں کہ جو مجاہدوں اور ریاضتوں وغیرہ سے حاصل ہو سکے محض حق تعالےٰ شانہ کا عطیہ ہے :

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۔ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۔ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۔ (المومن ۴۰ : آیت ۱۵)

"اللہ خوب جانتا ہے کہ کہاں رکھے اپنی پیغمبری کو، وہ بلند مرتبوں والا اور عرش کا مالک ہے، ڈالتا ہے روح اپنے حکم سے جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن (قیامت) سے جس دن وہ ظاہر ہوں گے"

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۔

"اور اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے لئے جس کو چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے"

معلوم ہوا کہ رسالت خصوصی طور پر اللہ تعالےٰ کی عطاءِ محض سے نصیب ہوئی ہے جس کو اللہ نے چاہا تھا اسے نبوت عطا فرما دی اور رسالت کے ذریعے اللہ تعالےٰ نے پیارے انبیاءِ کرام علیہم السلام کے درجوں کو بلند فرما دیا ہے اور یہ رسالت اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہے۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ

(الحج : ۷۵)

" اللہ چن لیتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور آدمیوں میں سے ، بے شک اللہ سنتا ہے، دیکھتا ہے ۔"

عادتِ قدیمہ کے تحت اللہ تعالٰے نے جس جس کو چن لیا ہے، آئندہ کے لئے خاتم النبیین ارشاد فرما کر نئی نبوت و رسالت کا خاتمہ فرما دیا۔ انبیاءِ کرام پر فرشتے وحی لانے کے لئے رسول مقرر ہیں اور انبیاءِ کرام علیہم السلام وحی لیتے رہے اور انسانوں کو ہدایات دیتے رہے اور دین کی مدد فرماتے رہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے معارج القدس میں لکھا ہے کہ جس طرح نوعِ انسان کی انسانیت اور نوعِ ملائکہ کی ملکیت کسبی نہیں ہے ایسے ہی نوعِ انبیاءِ کرام رسلِ عظام علیہم السلام کی نبوت و رسالت بھی کسبی نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ رسالت و نبوت محض فضلِ الٰہی ہے اور رسول کی بعثت سے پورا دین ملتا ہے :-

هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ

" اللہ وہ ہے جس نے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے ۔"

معلوم ہوا کہ دینِ حق رسول سے ملتا ہے اور رسول سے دین تب ملے گا جب رسول پر ایمان لا کر ان کی اطاعت کو اختیار کیا جائے اِس لئے کہ بغیر رسول کی اطاعت کے دین نہیں ملتا ہے کیونکہ رسول کے بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کی اطاعت اختیار کر کے رسول سے دین حاصل کیا جائے ، ارشاد ہوتا ہے :-

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ

" اور ہم نے رسول کو اس لئے بھیجا ہے تاکہ اس کی پیروی کی جائے ۔"

اور رسول کی پیروی کو اللہ تعالٰے نے اپنی پیروی قرار دیا ہے :

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

" اور جس نے رسول کی پیروی کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی ۔"

اِس سے معلوم ہوا کہ رسول کی اطاعت سے دین بھی ملتا ہے اور اللہ کی اطاعت بھی نصیب ہو جاتی ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ ملحد و زندیق ، ساحر ، باغی اور قاتلِ ناحق وغیرہم جب قتل کے مستحق ہوتے ہیں تو یہ صرف اس لئے کہ انہوں نے دینداری کے بجائے بے دینی اور گناہِ کبائر کو اختیار کیا اور یہ سارے جرائم رسول کی نافرمانی میں ہو جاتے ہیں تو اصل میں رسول کی ذات قرار پائی اور دینداری رسول کی اطاعت کا نام ہے ، تو جب ان جرائم میں قتل کرنا جائز بلکہ ضروری ہو جاتا ہے تو رسول کی گستاخی کرنے والا اور اذیت دینے والا کیونکر واجب القتل نہ ہو گا بلکہ شاتمِ رسول اس ارتدادِ خاص کی بناء پر سزائے موت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

شانِ مصطفٰے اور آپ کی تعظیم و توقیر

حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساری کائنات کے لئے رحمتِ عامہ ہیں اور یہ مقام اعلٰی کریم رب نے آپ کو عطا فرمایا ہے :

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (انبیاء : ۱۰۷)

" اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کیلئے ۔"

اسی رحمت کی وجہ سے مشرکین اور کفارِ عرب کے دشمنوں نے باوجود اس کے کہ عذاب کا مطالبہ کرتے رہے لیکن اللہ تعالٰے نے وعدہ فرما لیا تھا :

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۔ (انفال : ۳۳)

"اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب!
تم ان میں تشریف فرما ہو۔"

معلوم ہوا کہ آپ کی رحمت عامہ سے دشمنوں نے بھی فائدے اٹھائے۔
آپ کی رسالت بھی عامہ تھی، ہر دور اور ہر زمانہ میں ہر ملک کے انسانوں وغیرہ کو شامل ہے، ارشاد ہوتا ہے:۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

"اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام لوگوں کو گھیرنے والی ہے خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔"

اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کی تشہیر میں منعم حقیقی کا فرمان ہے:۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

"تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول ہوں۔"

معلوم ہوا کہ آپ کی رحمتِ عامہ اور رسالتِ عامہ محض اللہ کی عطا ہے اور آپ پر ایمان لانا ضروری ہے اور آپ پر ایمان لانے سے ہی رحمت کے حصول کا استحقاق ملے گا، گویا آپ سے ایمان اور رحمت دونوں نعمتیں ملتی ہیں:۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ۔

"بے شک ہم نے آپ کو شاہد مبشر اور نذیر بنا کر مبعوث فرمایا (تاکہ آپ انہیں اللہ سے ڈرائیں) تاکہ لوگ اللہ اور حضور علیہ السلام پر ایمان لائیں اور رسول علیہ السلام کی تعظیم و توقیر کریں۔"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۰

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر سبقت نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔ (الحجرات: ۲۳)

"اے ایمان والو! اپنی آواز رسول علیہ السلام کی آواز پر بلند نہ کرو۔"

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔

"رسول علیہ السلام کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ کہو جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔"

مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ اس بات کو واضح کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی عزت و توقیر کو لازم فرمایا ہے اور آپ کے اعزاز و اکرام کو ضروری ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ذو معنیین کلمہ کہنے کی ممانعت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسے کلمہ کے استعمال سے منع کیا گیا ہے جس کے معنٰے میں ذم کا پہلو نکلتا ہو اور اسی احتیاط کے مدِ نظر یہ آیت نازل ہوئی:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا

"اے ایمان والو! (حضور علیہ السلام) کو رَاعِنَا (ہماری رعایت کرنے والے) کہہ کر مخاطب نہ کرو۔"

رَاعِنَا کا معنٰے انصار مدینہ کے محاورہ میں رعایت مانگنے کے لئے استعمال ہوتا تھا جو عین ادب ہے لیکن باوجودیکہ اس کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اگر آپ ہماری رعایت نہ کریں گے تو اس کے بدلہ میں ہم بھی آپ کی رعایت نہ کریں گے اور یہ پہلو شانِ رسالت کے لائق نہیں تھا۔ دوسرا معنٰے یہود مدینہ اس کلمہ سے رعونت وحماقت مراد لیتے ہیں جس میں

تنقیصِ شانِ رسالت بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع فرما دیا کہ کسی ایسے کلمے سے حضور کو
مخاطب نہ کرو جس میں ذم کا شائبہ بھی ہوتا ہو اور مشارکتِ لفظی کی وجہ سے دشمنانِ اسلام و رسالت
اپنے مطلب کے معنے نکال سکیں۔

یہودِ مدینہ کی طرح پندرھویں صدی ہجری (۱۹۸۸ء) کا برطانوی گستاخ رسول، دجّال
سلیمان رشدی بھی یہودی کردار کو یہود کے تعاون سے ادا کر کے ہمیشہ کے لئے جہنمی بن گیا،
اس کے دنیا و آخرت دونوں لعنت و عذاب ثابت ہوں گے اگرچہ عارضی طور پر برطانیہ اور
تمام یورپ اور ساتھ ہی امریکہ نے رشدی کی حفاظت اور حمایت کا اعلان کیا ہے اور اسے
تحریری آزادی کا قانونی سرٹیفکیٹ دیا ہے لیکن رشدی کی حمایت عدل و انصاف اور آسمانی
دینوں بلکہ اخلاقِ انسانی اور شرافت کے سراسر خلاف اور بدترین مذمت کے لائق ہے۔

علماءِ اسلام کی طرف سے شاتمِ رسول کو قتل کرنے کا فیصلہ بطورِ حد دیا گیا

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا شریف میں فرماتے ہیں:۔

(اَجْمَعَتِ الْاُمَّۃُ عَلٰی قَتْلِ مُتَنَقِّصِہٖ) مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَسَابِّہٖ

(شفا شریف ج ۲، ص ۲۱۱)

"امت کا اتفاق ہے کہ مسلمان شخص خاص کے قتل پر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی ذات میں نقص نکالنے والا ہو یا آپ کو گالیاں دینے والا ہو"

وَاَمَّا الْکَافِرُ اِذَا تَنَقَّصَہٗ اَوْ سَبَّہٗ قَالَ بَعْضُہُمْ یُقْتَلُ۔

(شرح شفا شریف لملا علی قاری)

"اور بہر حال کافر شخص آپ میں نقص نکالے یا آپ کو گالیاں دے تو بعض
فقہاء فرماتے ہیں کہ اسے قتل کیا جائے"

(وَمَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ) بِنَوْعٍ مِّنَ الْاَذٰی

لَا فِیْ حَیٰوتِہٖ وَلَا بَعْدَ مَمَاتِہٖ (وَلَآ اَنْ تَنْکِحُوْٓا اَزْوَاجَہٗ مِنْ بَعْدِہٖ
اَبَدًا) اَیْ لَا بَعْدَ وَفَاتِہٖ وَلَا بَعْدَ فِرَاقِہٖ لَھَا دَخَلَ بِھَا اَمْ لَا
تَعْظِیْمًا لِّقَدْرِہٖ وَتَفْخِیْمًا لِّاَمْرِہٖ (اِنَّ ذٰلِکُمْ) اَیِ الْاَذٰی مِنْ
قِبَلِکُمْ (کَانَ عِنْدَ اللّٰہِ عَظِیْمًا) اَیْ ذَنْبًا جَسِیْمًا۔

"(اور تمہیں لائق نہیں کہ تم رسول اللہ کو اذیت دو) کسی قسم کی اذیت نہ آپ کی
حیات میں اور نہ آپ کے وصال کے بعد اور نہ تمہیں یہ حق ہے کہ تم آپ کی ازواج
کے ساتھ نکاح کرو آپ (کے وصال) کے بعد ہمیشہ کے لئے یعنی آپ کے وصال
کے بعد اور آپ کے فراق کے بعد چاہے آپ نے مباشرت فرمائی ہو یا نہ، یہ حکم،
آپ کی قدر کی تعظیم کے لئے اور آپ کے امر و شان کی عزت کی خاطر ہے۔ بے شک
یہ اذیت تمہاری طرف سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا گناہ ہے"

معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینا کفر و ارتداد ہے اور آپ کو
گالیاں دینا بھی ارتداد ہے، اس کی حد سزائے موت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینا جیسے آپ کی ظاہری حیات میں کفر ہے ایسے
ہی بعد وصال بھی ارتداد ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے ساتھ نکاح کرنا حرام
ہے، امت کے لئے آپ کی حیات اور بعد الوصال دونوں حالتوں میں کیونکہ اس سے بھی نبی
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا گناہ ہے۔

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینا بلاواسطہ اور بالواسطہ ہر حال میں
حرام ہے اور آپ کو تکلیف کا پہنچانا اس لئے حرام ہے کہ آپ عالمِ برزخ کے اندر بھی اعلیٰ
حیاتِ حقیقی کے ساتھ موصوف ہیں۔

(اِعْلَمْ وَفَّقَنَا اللّٰہُ وَاِیَّاکَ اَنَّ جَمِیْعَ مَنْ سَبَّ النَّبِیَّ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) اَیْ شَتَمَہٗ اَوْ عَابَہٗ اَوْ اَلْحَقَ بِہٖ نَقْصًا

فِیْ نَفْسِہٖ اَوْ نَسَبِہٖ اَوْ دِیْنِہٖ اَوْ خَصْلَۃٍ مِّنْ خِصَالِہٖ اَوْ عَرَّضَ بِہٖ اَوْ شَبَّہَہٗ بِشَیْءٍ عَلٰی طَرِیْقِ السَّبِّ لَہٗ اَوِ الْاِزْرَآءِ عَلَیْہِ اَوِ التَّصْغِیْرِ لِشَانِہٖ اَوِ الْغَضِّ مِنْہُ اَوِ الْعَیْبِ لَہٗ فَھُوَ سَابٌّ لَّہٗ وَ الْحُکْمُ فِیْہِ حُکْمُ السَّابِّ یُقْتَلُ۔

(شفا ج ۲ ص ۲۱۴، الصارم المسلول ص ۵۲۵، طبع بیروت)

"جن کلمات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نقص کا پہلو نکلتا ہو مثلاً جس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برملا گالی دی یا ایسے کلمات کہے جو عیب جوئی کے لئے استعمال ہوتے ہوں یا ان الفاظ سے آپ کی ذاتِ اقدس، آپ کے مبارک دین، اُسوہ یا خصائل میں سے کسی خصلت کو زک پہنچتی ہو یا ذاتِ نبوی پر کسی قسم کی تعریض کرے یا اسی قسم کے اور دوسرے الفاظ استعمال کرے تو ایسے تمام الفاظ سبّ وشتم میں شمار ہوں گے اور ایسے الفاظ کہنے والے کے لئے وہی حکم ہے جو اہانتِ نبی کریم کرنے والے کے لئے ہے یعنی واجب القتل ہے اور ہم اس حکم میں قطعاً کوئی استثنار نہیں کرتے اور نہ ہم اس میں کوئی شک کرتے ہیں خواہ صراحۃً توہین ہو یا اشارۃً یا کنایۃً توہین ہو۔"

چند کلماتِ توہین ذکر کرنے کے بعد قاضی عیاض دوبارہ مرتد گستاخ کے حکمِ قتل پر علمار کرام کا اجماع صحابہ کرام کے دَور سے لے کر اپنے دَور تک بلا تفریق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

(وَ ھٰذَا کُلُّہٗ اِجْمَاعٌ مِّنَ الْعُلَمَآءِ) مِنَ الْمُفَسِّرِیْنَ وَ الْمُحَدِّثِیْنَ (وَاَئِمَّۃِ الْفَتْوٰی مِنَ الْمُجْتَہِدِیْنَ) مِنْ لَّدُنِ الصَّحَابَۃِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلٰی ھَلُمَّ جَرًّا (اَیْ اِلٰی یَوْمٍ)

قَالَ الْقَاضِیْ (اَبُوْبَکْرِ بْنُ الْمُنْذِرِ) مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ

النَّیْسَابُوْرِیْ (اَجْمَعَ عَوَامُّ اَھْلِ الْعِلْمِ) اَیْ کُلُّھُمْ (عَلٰی اَنَّ مَنْ سَبَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقْتَلُ) (شرح الشفا ملا علی قاری)

"ایسا ہی طرزِ عمل اس شخص کے ساتھ روا رکھا جائے گا جو حضور علیہ السلام کی ذاتِ اقدس پر لعنت کے الفاظ استعمال کرے یا حضور کے حق میں بددعا کرے یا ایسے کلمات آپ سے منسوب کرے جو آپ کے شایانِ شان نہیں یا آپ کے نقصان کا خواہاں ہو، وغیرہا کلماتِ کفر پر اجماع نقل کرکے فرماتے ہیں) اور ان مذکورہ الفاظ پر علمار کا اجماع ہے، مفسرین، محدثین اور ائمہ فتوٰے مجتہدین صحابہ کرام کے دور سے لے کر اس دور تک کہ گستاخ مرتد واجب القتل ہے۔

ابوبکر بن منذر کہ تمام اہلِ علم مثلاً امام مالک، امام احمد، امام لیث، امام اسحٰق اور امام شافعی وغیرہ کا اجماع ہے اس بات پر کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے وہ واجب القتل ہے۔"

وَھُوَ مُقْتَضٰی قَوْلِ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَ لَا تُقْبَلُ تَوْبَتُہٗ عِنْدَ ھٰٓؤُلَآءِ الْمَذْکُوْرِیْنَ۔

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کا مقتضٰی بھی یہی ہے۔ ان علمار کے نزدیک ایسے گستاخ کی توبہ بھی قبول نہ کی جائے گی۔"

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سَحْنُوْنٍ اَجْمَعَ الْعُلَمَآءُ عَلٰی اَنَّ شَاتِمَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمُتَنَقِّصَ لَہٗ کَافِرٌ وَالْوَعِیْدُ جَارٍ عَلَیْہِ بِعَذَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی لَہٗ وَحُکْمُہٗ عِنْدَ الْاُمَّۃِ الْقَتْلُ وَ مَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَعَذَابِہٖ کَفَرَ۔

(الشفاء ج۲ ص ۲۱۵ و ۲۱۶ - رد المحتار ج۳ ص ۳۱۷)

"حضرت محمد بن سحنون فرماتے ہیں کہ علمار امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ

شاتمِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام یا ان کی ذات میں نقص تلاش کرنے والا کافر ہے اور اس پر عذابِ الٰہی کی وعید وارد ہے اور امتِ مسلمہ کے نزدیک یہ حکم ہے کہ یہ شخص واجب القتل بھی ہے اور اسی پر اکتفا نہیں بلکہ ایسے دریدہ دہن اور گستاخ کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر ہے۔"

امامِ مالک کے حوالہ سے کتاب ابنِ حبیب میں مبسوط عتبیہ اور کتاب ابنِ سحنون کے ذریعہ سے نقل کیا ہے کہ جو (نام نہاد) مسلمان نبی علیہ السلام پر سبّ وشتم کرے اس کی توبہ قبول نہ کی جائے بلکہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ عتبیہ میں ابنِ قاسم نے لکھا ہے کہ جو شخص حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی کا مرتکب ہو یا آپ کی ذاتِ اقدس کی برائی کرے، گالی دے یا کسی اور قسم کا کوئی عیب لگائے یا حضور علیہ السلام کی شان گھٹانے کی کوشش کرے، علماءِ امت کا اس پر اجماع ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔

وَحُكْمُهٗ عِنْدَ الْاُمَّةِ الْقَتْلُ كَالزِّنْدِيْقِ

"شاتمِ رسول کا حکم ائمہ مالکیہ کے نزدیک قتل ہے جیسے زندیق کا حکم ہے۔"

وَالْحَاصِلُ اَنَّهٗ لَا شَكَّ وَلَا شُبْهَةَ فِيْ كُفْرِ شَاتِمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي اسْتِبَاحَةِ قَتْلِهٖ وَهُوَ الْمَنْقُوْلُ عَنِ الْاَئِمَّةِ الْاَرْبَعَةِ۔

(فتاویٰ شامی ج ۳، ص ۳۲۱، الصارم المسلول، ص ۴)

"خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے والے کے کفر اور اسکے مستحقِ قتل ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں، چاروں ائمہ کرام سے یہی منقول ہے۔"

كُلُّ مَنْ اَبْغَضَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَلْبِهٖ

كَانَ مُرْتَدًّا فَالسَّابُّ بِطَرِيْقٍ اَوْلٰى ثُمَّ يُقْتَلُ حَدًّا عِنْدَنَا۔

(فتح القدیر (ابن ہمام) ج ۴، ص ۴۰۷)

"جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دل میں بغض رکھے وہ مرتد ہے آپ کو گالی دینے والا بطریقِ اولیٰ مستحقِ قتل ہے۔"

اَيُّمَا رَجُلٍ مُّسْلِمٍ سَبَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ كَذَّبَهٗ اَوْ عَابَهٗ اَوْ تَنَقَّصَهٗ فَقَدْ كَفَرَ بِاللّٰهِ وَ بَانَتْ مِنْهُ زَوْجَتُهٗ۔

(کتاب الخراج امام ابو یوسف، ص ۱۸۳ ، فتاویٰ شامی ج ۴ ص ۳۸، بحث سب الشیخین مطبوعہ بیروت

وَقَالَ اَبُوْ سُلَيْمَانَ الْخَطَّابِيُّ لَا اَعْلَمُ اَحَدًا مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ اخْتَلَفَ فِيْ وُجُوْبِ قَتْلِهٖ اِذَا كَانَ مُسْلِمًا۔

(الشفاء ج ۲ ص ۲۱۶ ، فتح القدیر شرح ہدایہ ج ۴ ص ۴۰۷ ، الصارم المسلول ص ۴)

"امام ابوسلیمان خطابی نے فرمایا جب مسلمان کہلانے والا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سبّ کا مرتکب ہو تو میرے علم میں کوئی ایسا مسلمان نہیں جس نے اس کے قتل میں اختلاف کیا ہو۔"

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جو کہ مذہب حنفی کے امام ہیں وہ اپنی کتاب الخراج میں تحریر فرماتے ہیں :-

اَيُّمَا رَجُلٍ مُّسْلِمٍ سَبَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ كَذَّبَهٗ اَوْ عَابَهٗ اَوْ تَنَقَّصَهٗ فَقَدْ كَفَرَ بِاللّٰهِ تَعَالٰى وَ بَانَتْ مِنْهُ امْرَاَتُهٗ۔

"جو شخص مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے یا حضور کی طرف جھوٹ کی نسبت کرے یا حضور کو کسی طرح کا عیب لگائے یا کسی وجہ سے حضور کی شان گھٹائے وہ یقیناً کافر اور خدا کا منکر ہو گیا اور اس کی بیوی (منکوحہ) اس کے

نکاح سے نکل گئی۔"

اس تصریح سے معلوم ہوگیا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تنقیص وتوہین کرنے سے مسلمان کافر ومرتد ہو جاتا ہے اور اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے۔ اسطرح جو مسلمان مرد یا عورت، عاقل بالغ ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا انکار کر دے تو وہ قطعاً یقیناً اجماعاً کافر ومرتد ہے، جو اسے کافر ومرتد نہ سمجھے وہ خود کافر ہے:

اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی اَنَّ شَاتِمَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَنْ شَکَّ فِیْ عَذَابِہٖ وَکُفْرِہٖ کَفَرَ۔

(شفاء، بزازیہ، درر وغرر وفتاوی خیریہ وغیرہا)

" تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ پاک میں گستاخی کرے وہ کافر ہے اور جو اس کے معذّب یا کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔"

مجمع الانہر اور درِّ مختار میں ہے:-

واللفظ لہ۔ اَلْکَافِرُ بِسَبِّ نَبِیٍّ مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ لَا تُقْبَلُ تَوْبَتُہٗ مُطْلَقًا وَمَنْ شَکَّ فِیْ عَذَابِہٖ وَکُفْرِہٖ کَفَرَ۔

" جو کسی نبی کی شان میں گستاخی کے سبب سے کافر ہوا اس کی توبہ کسی طرح قبول نہیں اور جو اس کے عذاب یا کفر میں شک کرے وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔"

صاحبِ شفاء مزید نقل فرماتے ہیں:-

قَالَ اَبُوْ بَکْرِ بْنُ الْمُنْذِرِ اَجْمَعَ عَوَامُّ اَھْلِ الْعِلْمِ عَلٰی اَنَّ مَنْ سَبَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقْتَلُ قَالَ ذٰلِکَ مَالِکُ بْنُ اَنَسٍ وَّ اللَّیْثُ وَاَحْمَدُ وَاِسْحٰقُ وَھُوَ مَذْھَبُ الشَّافِعِیِّ

قَالَ الْقَاضِیْ اَبُو الْفَضْلِ وَھُوَ مُقْتَضٰی قَوْلِ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَلَا تُقْبَلُ تَوْبَتُہٗ عِنْدَ ھٰؤُلَاءِ وَبِمِثْلِہٖ قَالَ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ وَاَصْحَابُہٗ وَالثَّوْرِیُّ وَاَھْلُ الْکُوْفَۃِ وَالْاَوْزَاعِیُّ فِی الْمُسْلِمِیْنَ لٰکِنَّھُمْ قَالُوْا ھِیَ رِدَّۃٌ۔ (شفاء ج۲ ص۲۱۵)

" امام ابوبکر بن منذر نے فرمایا عامہ علماءِ اسلام کا اجماع ہے کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کرے (یعنی گالیاں دے) قتل کیا جائے گا، انہی میں سے مالک بن انس، لیث، احمد، اسحٰق (رحمہم اللہ) ہیں اور یہی شافعی کا مذہب ہے۔ قاضی عیاض نے فرمایا حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کا یہی مقتضیٰ ہے (پھر فرماتے ہیں) اور ان ائمہ کے نزدیک اس کی توبہ بھی قبول نہ کی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ ان کے شاگردوں، امام ثوری، کوفہ کے دوسرے علماء اور امام اوزاعی کا قول بھی اسی طرح ہے، ان کے نزدیک یہ ردّت ہے۔"

وَقَالَ مَنْ کَذَّبَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ حُکْمُہٗ عِنْدَ الْاُمَّۃِ الْقَتْلَ۔

" محمد بن سحنون نے فرمایا جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا یعنی آپ کی طرف جھوٹ کی نسبت کی اس کا حکم سب امت کے نزدیک قتل ہے۔"

شفاء شریف شرح فقہ اکبر میں ہے:-

فِی الْمَوَاقِفِ لَا یُکَفَّرُ اَھْلُ الْقِبْلَۃِ اِلَّا فِیْمَا فِیْہِ اِنْکَارُ مَا عُلِمَ مَجِیْئُہٗ بِالضَّرُوْرَۃِ اَوِ الْمُجْمَعِ عَلَیْہِ کَاسْتِحْلَالِ الْمُحَرَّمَاتِ اھ

" یعنی مواقف میں ہے کہ اہلِ قبلہ کو کافر نہ کہا جائے گا مگر جب ضروریاتِ دین یا اجماعی باتوں سے کسی بات کا انکار کریں۔"

یعنی ضروریاتِ دین پر ایمان رکھتا ہو اور کوئی بات منافی ایمان نہ کرے۔

وَاَنَّ الْمُرَادَ بِعَدَمِ تَكْفِيْرِ اَحَدٍ مِّنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ اَنَّهٗ لَا يُكَفَّرُ مَا لَمْ يُوْجَدْ شَيْئٌ مِّنْ اَمَارَاتِ الْكُفْرِ وَعَلَامَاتِهٖ وَلَمْ يَصْدُرْ عَنْهُ شَيْئٌ مِّنْ مُّوْجِبَاتِهٖ ۔ (شرح فقہ اکبر)

"اور اہلِ سنت کے نزدیک اہلِ قبلہ میں کسی کو کافر نہ کہنے سے یہ مراد ہے، کہ اسے کافر نہ کہیں گے جب تک اس میں کفر کی کوئی علامت ونشانی نہ پائی جائے اور کوئی بات موجب کفر اس سے صادر نہ ہو۔"

ردالمحتار میں ہے:-

لَا خِلَافَ فِيْ كُفْرِ الْمُخَالِفِ فِيْ ضَرُوْرِيَّاتِ الْاِسْلَامِ وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ الْمُوَاظِبِ طُوْلَ عُمْرِهٖ عَلَى الطَّاعَاتِ كَمَا فِيْ شَرْحِ التَّحْرِيْرِ۔

"یعنی ضروریاتِ اسلام سے کسی چیز میں خلاف کرنے والا بالاجماع کافر ہے اگرچہ اہلِ قبلہ سے ہو اور عمر بھر طاعات میں بسر کرے جیسا شرح تحریر امام ابن الہمام میں فرمایا۔"

وَاِذَا عَابَ الرَّجُلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ شَيْئٍ كَانَ كَافِرًا وَكَذَا قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ لَوْ قَالَ لِشَعْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شُعَيْرٌ فَقَدْ كَفَرَ وَعَنْ اَبِيْ حَفْصٍ الْكَبِيْرِ مَنْ عَابَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَعْرَةٍ مِّنْ شَعَرَاتِهِ الْكَرِيْمَةِ فَقَدْ كَفَرَ وَذَكَرَ فِي الْاَصْلِ اَنَّ شَتْمَ النَّبِيِّ كُفْرٌ۔

(فتاوٰی قاضی خان ج۴ ص ۸۸۲ طبع نولکشور)

"جب کوئی کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی چیز میں عیب لگائے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور ایسے ہی بعض علماء نے فرمایا، اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے بال مبارک کو شعر کی بجائے (بصیغۂ تصغیر) شُعَیر کہہ دے تو وہ کافر ہو جائیگا اور امام ابوحفص کبیر (حنفی) سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا کفر ہے۔"

وَلَا خِلَافَ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَنَّ مَنْ قَصَدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ فَهُوَ مِمَّنْ يَنْتَحِلُ الْاِسْلَامَ اَنَّهٗ مُرْتَدٌّ يَسْتَحِقُّ الْقَتْلَ۔

(احکام القرآن جصاص ج۳ ص ۱۰۶)

"کسی مسلمان کو اس میں اختلاف نہیں کہ جس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کی اور آپ کو ایذاء رسانی کا قصد کیا اور وہ مسلمان کہلاتا ہے وہ مرتد مستحق قتل ہے۔"

معلوم ہوا کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین کرنے والا اور آپ کو ایذاء دینے والا واجب القتل ہے اور گستاخِ رسول کی سزا بطورِ حد قتل ہی ہے۔

ضروری تنبیہ

ہر کافر کی توبہ قبول ہے لیکن سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنیوالے کی توبہ ہزارہا ائمہ دین کے نزدیک اصلاً قبول نہیں اور ہمارے علماءِ حنفیہ میں سے امام بزازی، امام محقق ابنِ ہمام، علامہ مولٰی خسرو صاحبِ درر وغرر، علامہ زین ابن نجیم صاحب بحرالرائق والاشباہ والنظائر، علامہ عمر بن نجیم صاحبِ نہر الفائق، علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی صاحبِ تنویر الابصار، علامہ خیرالدین رملی صاحبِ فتاوٰے خیریہ، علامہ شیخ زادہ صاحب مجمع الانہر، علامہ محمد بن علی حصکفی صاحبِ درالمختار وغیرہم نے اسے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اگر مرتد گستاخِ رسول صدقِ دل سے توبہ کرلے تو عنداللہ مقبول ہو سکتی ہے، اللہ چاہے تو معاف کرے چاہے تو معاف نہ کرے، اس کا معاملہ اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہوگا لیکن غالب گمان یہی ہے کہ ابدی عذابِ جہنم سے نجات پاسکتا ہے اور توبہ عنداللہ مقبول ہونے میں شرعاً کوئی شے مانع نہیں ہے لیکن قبول توبہ حد کے نفاذ کے لئے

مانع نہیں ہے، توبہ کرنے کے باوجود حدود تو جاری ہوں گی ورنہ توبہ کرنے سے سلسلہ عقوبات سزاؤں اور حدود کا جاری نہ ہو سکے گا اور پھر انسداد جرائم اور کفر و ارتداد بھی قائم نہ ہو سکیگا نیز یاد رہے کہ گناہوں پر توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ جرائم خفیہ پر خفیہ اور علانیہ پر علانیہ ہو۔
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

إذا عملت سيئة فأحدث عندها توبة السر بالسر والعلانية بالعلانية۔

(رواہ الامام احمد فی الزہد والطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی الشعب)

" جب تو بدی کرے تو فوراً توبہ کر خفیہ کا خفیہ اور علانیہ کا علانیہ "

الهازل والمستهزئ إذا تكلم بكفر استخفافاً واستهزاءً ومزاحاً يكون كفراً عند الكل وإن كان اعتقاده خلاف ذلك۔

(عالمگیری)

" تمسخر کرنے والے اور ٹھٹھا کرنے والے نے جب کلمۂ کفر کہا درانحالیکہ اس نے اسے ہلکا جانتے، ٹھٹھا کرنے اور مزاح اڑانے کے طور پر کہا تو یہ سب کے ہاں کفر ہے اگرچہ اس کا اعتقاد اس کے خلاف ہو "

إذا ارتد المسلم عن الإسلام والعياذ بالله تعالى عرض عليه الإسلام۔

"جب کوئی مسلمان، معاذ اللہ اسلام سے مرتد ہو جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے "

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الام باب المرتد الکبیر میں فرماتے ہیں :۔

فلم يختلف المسلمون أنه لا يحل أن يفادى بمرتد بعد إيمانه ولا يمن عليه ولا تؤخذ منه فدية ولا يترك

بحال حتى يسلم أو يقتل والله أعلم۔

" مسلمانوں کا اس بارے میں اختلاف نہیں رہا کہ مرتد سے فدیہ لینا حلال نہیں ہے اور نہ ہی اس پر احسان کیا جائے اور نہ اس سے فدیہ لیا جائے اور نہ اسے کسی حال میں چھوڑا جائے یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئے یا پھر اسے قتل کر دیا جائے "

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ عام مرتد کی سزا یہی ہے کہ وہ اسلام کو قبول کرے ورنہ اسے سزائے موت دی جائے۔

والقتل على الردة حد ليس للإمام أن يعطله۔ (کتاب الام)

" ردّت کی سزائے موت بطور حد ہے، وقت کے حاکم کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ سزا کو معطل کر دے "

یاد رہے کہ شرعی حجتوں میں قرآن وسنت کے بعد تیسرا درجہ اجماع کا ہے اور یہ فضیلت اس امت مسلمہ کو حاصل ہے جیسا کہ حدیث پاک سے ثابت ہے۔

اصول فقہ کی معتبر کتاب توضیح میں ہے :۔

وما اتفق عليه المجتهدون من أمة محمد صلى الله عليه وسلم في عصر على أمر فهذا من خواص أمة محمد صلى الله عليه وسلم فإنه خاتم النبيين لا وحي بعده وقد قال الله تعالى اليوم أكملت لكم دينكم ولا شك أن الأحكام التي تثبت بصريح الوحي بالنسبة إلى الحوادث الواقعة قليلة غاية القلة فلو لم يعلم أحكام الحوادث من الوحي الصريح وبقيت أحكامها مهملة لا يكون الدين كاملاً فلابد أن تكون للمجتهدين ولاية استنباط أحكامها

مِنَ الْوَحْيِ۔ (توضیح مصری ص ۴۹ ج۲)

" اور وہ حکم جس پر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کے مجتہدین کا کسی زمانہ میں اتفاق ہو جائے اس کا واجب التعمیل ہونا اس امت کی خصوصیات سے ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کسی پر وحی نہیں آئے گی اور ادھر یہ اشارۂ خداوندی ہے کہ ہم نے تمہارا دین کامل کر دیا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ جو احکام صریح وحی سے ثابت ہوئے ہیں وہ بہ نسبت روزمرہ کے پیش آنے والے واقعات کے نہایت قلیل ہیں پس جب ان واقعات کے احکام وحی صریح سے معلوم نہ ہوئے (اب اگر اجماع و قیاس کو حجت نہ بنایا جائے) اور شریعت میں ان واقعات کے متعلق احکام نہ ہوں تو دین کامل نہیں رہتا اس لئے ضروری ہے کہ اس امت کے مجتہدین کو وحی سے ان احکام کے استنباط کرنے کا حق حاصل ہو "

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

وَاِجْمَاعُهُمْ حُجَّةٌ قَاطِعَةٌ يَجِبُ اِتِّبَاعُهَا بَلْ هِيَ اَوْكَدُ الْحُجَجِ وَهِيَ مُقَدَّمَةٌ عَلٰى غَيْرِهَا وَلَيْسَ هٰذَا مَوْضِعُ تَقْرِيْرِ ذٰلِكَ فَاِنَّ هٰذَا الْاَصْلُ مُقَرَّرٌ فِيْ مَوْضِعِهٖ وَلَيْسَ فِيْهِ بَيْنَ الْفُقَهَاءِ وَلَا بَيْنَ سَائِرِ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ خِلَافٌ الخ۔ (اقامۃ الدلیل ج ۳ ص ۳۰)

" اور اجماعِ صحابہ حجتِ قطعیہ ہے، اس کا اتباع فرض ہے بلکہ وہ تمام شرعی حجتوں سے زیادہ مؤکد ہے اور سب سے مقدم ہے۔ یہ موقع اس بحث کے چھیڑنے کا نہیں کیونکہ یہ اپنے موقع پر (یعنی کتب اصول میں) یہ بات

باتفاقِ اہلِ علم ثابت ہو چکی ہے اور اس میں تمام فقہاء اور تمام مسلمانوں میں جو واقعی مسلمان ہیں کسی کا بھی خلاف نہیں۔"

معلوم ہوا کہ اجماعِ صحابہ کرام یا اجماع مجتہدین شرعی حجت و دلیل ہے۔

مُسَیلمہ کذّاب کا دعوٰئ نبوّت

اب ملاحظہ کریں کہ مسیلمہ کذاب نے جب ذیلی نبوت کا دعوٰی کیا تھا تو یہ وہ دَور تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بقیدِ حیات ظاہری موجود تھے اور اس جھوٹے دعوٰئ نبوت کے باوجود کافی لوگ اس کے پیروکار بن گئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے جو کارنامہ سرانجام دیا تھا وہ وہی جہاد تھا جو مسیلمہ کذاب سے کیا گیا جس میں جمہور مہاجرین و انصار نے اتفاق و اجماع کر لیا تھا حالانکہ مسیلمہ کذاب نماز، زکوٰۃ و روزہ کے علاوہ نبوت و قرآن پر بھی ایمان رکھتا تھا۔

(تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۴۲)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید کی امارت میں ایک لشکر مسیلمہ کذاب کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے یمامہ کی طرف روانہ کیا جمہور صحابہ کرام میں سے کسی نے انکار نہ کیا اور نہ ہی کسی نے اس کے اہلِ قبلہ ہونے کا عذر پیش کیا اور نہ ہی اس کے کلمہ گو ہونے کو مانع سمجھا تو معلوم ہوا کہ مرتدوں کے ساتھ جہاد کرنا عملِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مسلمان ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک ضروری امرِ دینی کا انکار کر جائے تو اس کے خلاف جہاد کرنا ضروری ہو جاتا ہے تو جو شخص مثلاً سلیمان رشدی مسلمان ہو کر سارے دینِ اسلام اور پیغمبرِ اسلام اور جد الانبیاء حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ازواجِ مطہرات وغیرہم کی گستاخی و اہانت کرے تو اس کے خلاف جہاد کیونکر ضروری نہ ہوگا اور پھر الیاس گستاخ کہ جس کی حمایت میں تمام عیسائی دنیا یک جان ہو کر اعلانِ عام کر دیں اور سارے یہودی جس کی حمایت و تعاون

پر جان قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں اور کمیونسٹ نظریات رکھنے والے عوام کی اکثریت بھی
اس کی حمایت و تعاون کو ضروری قرار دیں تو گویا اسلام کے خلاف سوچی سمجھی سکیم اور پلان کے تحت
ساری کاروائی معرض وجود میں لائی گئی ہے اور پھر تعجب یہ کہ اسلامی کانفرنس کی تنظیم میں شریک
۴۵ ممالک بھی سلیمان رشدی کی مذمت اور اس کی کتاب سٹینک ورسز پر پابندی عائد کر چکے
ہیں اس کے باوجود عیسائی یورپ و امریکہ اور جاپان وغیرہ ممالک نے مرتدِ مذکور کی حمایت جاری رکھی
جس سے اہلِ اسلام اور اسلام دشمنوں کے دو بلاک ۸۹ - ۱۹۸۸ء میں عالمی سطح پر سامنے آ گئے
چنانچہ ایسے مرتد کی مذمت کرنا اور اس کی کتابِ مذکور پر پابندی لگانا اور اس کے ناشرین کے خلاف
اقدام کرنا اور سلیمان رشدی مرتد گستاخ جو کہ شرعاً واجب القتل ہے اور فتنۂ عالمِ اسلام کا باعث ہے،
اس کے خلاف ہر قسم کی کاروائی کرنا شرعی طور پر عین جہادِ اکبر ہے اسی طرح اسود عنسی نے بھی
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں مصنوعی نبوت کا اعلان کرنے کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کے حکم پر صحابہ کرام کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا۔

اسی قسم کے اور بھی ایسے واقعات ہوئے کہ جس جس نے ارتداد اختیار کیا، پھر یا تو وہ
اسلام لایا یا قتل کر دیا گیا تھا۔ (ملاحظہ کریں فتح الباری ج ۶ ص ۴۵۵)

علامہ سید محمد آلوسی مفتی اعظم بغداد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں اسی
اجماع کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

وَكَوْنُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ مِمَّا نَطَقَتْ
بِهِ الْكُتُبُ وَصَدَعَتْ بِهِ السُّنَّةُ وَأَجْمَعَتْ عَلَيْهِ الْأُمَّةُ
فَيُكَفَّرُ مُدَّعِي خِلَافِهِ وَيُقْتَلُ إِنْ أَصَرَّ۔

(روح المعانی ج ۲۲ ص ۶۵)

"اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا ان مسائل میں سے ہے جس پر
تمام آسمانی کتابیں ناطق ہیں اور احادیثِ نبویہ اس کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتی

ہیں اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے پس اس کے خلاف کا مدعی کافر ہے اگر
توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے۔"

اور ابنِ حبان فرماتے ہیں:

مَنْ ذَهَبَ إِلَى أَنَّ النُّبُوَّةَ مُكْتَسَبَةٌ لَا تَنْقَطِعُ أَوْ إِلَى أَنَّ الْوَلِيَّ
أَفْضَلُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ زِنْدِيقٌ يَجِبُ
قَتْلُهُ۔ (زرقانی ج ۶ ص ۱۸۸)

"اور جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ نبوت کسب کر کے حاصل کی جا سکتی ہے اور
وہ منقطع نہیں ہوتی یا یہ عقیدہ رکھے کہ ولی نبی سے افضل ہے تو یہ شخص زندیق ہے
اس کا قتل کرنا واجب ہے۔"

معلوم ہوا کہ ضروریاتِ دین کا منکر مرتد ہو جاتا ہے اور مرتد کے لئے دوبارہ اسلام
کو قبول کرنا ہے یا اسے قتل کرنا ہے اور یہ عام مرتد کی سزا ہے ورنہ جو مرتد گستاخ بھی ہو تو اس کی
سزا صرف سزائے موت ہی ہے اور یہ سزا بطورِ حد جاری ہو گی۔

شفاء قاضی عیاض میں ہے:

وَقَدْ قَتَلَ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَرْوَانَ الْحَارِثَ الْمُتَنَبِّئَ
وَصَلَبَهُ وَفَعَلَ ذٰلِكَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْخُلَفَاءِ وَالْمُلُوكِ
بِأَشْبَاهِهِمْ وَأَجْمَعَ عُلَمَاءُ وَقْتِهِمْ عَلَى صَوَابِ فِعْلِهِمْ وَالْمُخَالِفُ
فِي ذٰلِكَ مِنْ كُفْرِهِمْ كَافِرٌ۔ (انکار الملحدین ص ۴۳)

"اور خلیفہ عبد الملک بن مروان نے حارث مدعی نبوت کو قتل کیا اور سولی
چڑھا اور ایسا ہی معاملہ بہت سے خلفاء اور بادشاہوں نے اس جیسے مدعیان
نبوت (مرتدوں) کے ساتھ کیا ہے اور اس زمانہ کے علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے
کہ ان کا یہ فعل صحیح و درست تھا اور جو ان کے کافر کہنے کا مخالف ہے وہ خود کافر

معلوم ہوا کہ مرتد کی سزا قتل ہے اور اس پر خلفاء اور ملوک نے عمل کیا ہے اور
اس پر اس وقت کے علماء کرام نے اجماع کیا ہے کہ خلفاء وغیرہ کا مرتدوں کو قتل کرنے کا
فعل درست ہے اور غلط نہیں ہے۔

حضرت یوسف بن جنید التوقادی (م ۹۰۴ھ) صاحب ہدیۃ المہدیین فرماتے ہیں:۔

قَدِ اجْتَمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلَى أَنَّ الْاِسْتِخْفَافَ بِنَبِيِّنَا وَبِأَيِّ
نَبِيٍّ كَانَ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ كُفْرٌ۔

" بے شک امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ ہمارے نبی (صلی اللہ
علیہ وسلم) کی تخفیف و تحقیر کرنا اور انبیاء میں سے کسی نبی کی تحقیر کرنا کفر ہے "

قَالَ الْخَطَّابِيُّ لَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اخْتَلَفَ
فِيْ وُجُوْبِ قَتْلِهٖ إِذَا كَانَ مُسْلِمًا۔ (ہدیۃ المہدیین)

" خطابی نے کہا کہ میں ایسے کسی آدمی کو نہیں جانتا مسلمانوں میں سے کہ
جس نے مرتد کی سزائے موت میں اختلاف کیا ہو بشرطیکہ وہ مرتد پہلے ہی
سے مسلمان ہو "

وَفِي الْمَبْسُوْطِ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ كِنَانَةَ مَنْ شَتَمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُتِلَ وَلَمْ يُسْتَتَبْ وَالْإِمَامُ مُخَيَّرٌ فِيْ صُلْبِهٖ حَيًّا
أَوْ قَتْلِهٖ۔

" اور مبسوط میں ہے عثمان بن کنانہ سے کہ جس نے نبی علیہ السلام کو گالیاں دیں
اسے قتل کیا جائے گا اور اس سے توبہ نہیں کرائی جائے گی اور حاکم کو اختیار ہے
چاہے اور اسے زندہ سولی چڑھادے یا اسے قتل کرادے "

وَأَفْتٰى فُقَهَاءُ الْأَنْدُلُسِ بِقَتْلِ الْحَاتِمِ وَصُلْبِهٖ بِمَا
شَهِدَ عَلَيْهِ مِنِ اسْتِخْفَافِهٖ بِحَقِّ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

" اندلس کے فقہاء نے حاتم کے قتل اور پھانسی دینے کا فتوٰی و حکم دیا تھا اور
اس کے خلاف شہادت گذر چکی تھی کہ اس نے نبی علیہ السلام کی تخفیف کی تھی "

وَقَالَ ابْنُ عَتَّابٍ اَلْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ مُوْجِبَانِ أَنَّ مَنْ قَصَدَ
النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَذًى أَوْ نَقْصٍ مُعَرِّضًا أَوْ مُصَرِّحًا
وَإِنْ قَلَّ فَقَتْلُهٗ وَاجِبٌ الخ (کتاب مذکور)

" ابن عتاب نے کہا کتاب و سنت ایسے شخص کے بارے واجب کرتی ہیں
کہ جس کسی نے نبی علیہ السلام کو اذیت دی یا نقص نکالا، اشارۃً ہو یا صراحۃً ہو، گو
بہت کم ہو تو اس کو قتل کرنا واجب ہے "

اس سے متعلق ہے کہ وقت کے حاکم کے لئے ضروری ہے کہ وہ شاتم رسول کو سزائے
موت دے جیسے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے کوفہ کے عامل نے مشورہ مانگا ایسے
شخص کے قتل کے بارے میں کہ جس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو گالیاں دی تھیں:

فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ أَنَّهٗ لَا يَحِلُّ قَتْلُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِسَبِّ
أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ إِلَّا رَجُلٌ سَبَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَمَنْ سَبَّهٗ فَقَدْ حَلَّ دَمُهٗ۔ (کتاب مذکور)

" تو عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے یہ لکھا کہ مسلم آدمی کا قتل جائز نہیں کہ کسی
آدمی کو گالیاں دینے پر مگر ایسا آدمی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے اور جو شخص
آپ کو گالیاں دے تو وہ مباح الدم ہے "

علامہ ابو العباس احمد بن محمد بن علی حجر المکی الہیتمی ۹۰۹ھ - ۹۷۴ھ اپنی کتاب "الاعلام
بقواطع الاسلام" میں فرماتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے:

إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيْهِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا۔

" جب کوئی شخص اپنے بھائی مسلمان کو کہدے " اے کافر! " تو بے شک

دونوں میں سے ایک پر کفر لوٹے گا۔"

یعنی کافر کہنے والے نے اگر بغیر کسی وجہ کفر کے پائے جانے کے کہا ہے تو کہنے والا کافر ہوا اور اگر کہنے والے نے وجوہ کفر کے متحقق ہونے کی حالت میں کہا ہے تو جس کو کافر کہا ہے وہ کافر ہوا اور کہنے والا مسلمان رہا۔

اس حدیث کے بارے میں اہلِ تحقیق نے کئی مطالب بیان کئے جو ظاہر کے خلاف تھے تو صاحب اعلام نے فرمایا:

إِنَّمَا نَحْكُمُ بِالْكُفْرِ بِاعْتِبَارِ الظَّاهِرِ وَقَصْدُكَ وَعَدَمُهُ إِنَّمَا تُرْبَطُ بِهِ الْأَحْكَامُ بِاعْتِبَارِ الْبَاطِنِ لَا الظَّاهِرِ۔

"بے شک ہم کفر کا حکم ظاہر کے اعتبار سے لگائیں گے اور تیرے ارادہ اور عدمِ ارادہ کے ساتھ احکام باعتبار باطن کے وابستہ ہوں گے نہ کہ ظاہر کے اعتبار سے۔"

قدرے آگے فرماتے ہیں:

بِأَنَّ حُكْمَنَا بِاعْتِبَارِ الظَّاهِرِ فَلَا يُبْحَثُ عَنِ الْمُرَادِ وَلَا نُدِيرُ عَلَيْهِ حُكْمًا ظَاهِرًا۔

"بے شک ہمارا حکم ظاہری اعتبار سے ہے تو مراد سے بحث نہیں کی جائیگی اور نہ ہی مراد پر ظاہری حکم چسپاں کریں گے۔"

مزید فرمایا:

لِأَنَّ الْعِبَادَةَ لَا تُنَافِي الْفِسْقَ لِإِمْكَانِ اجْتِمَاعِهِمَا فِي آنٍ وَاحِدٍ إِذْ مَنِ ارْتَكَبَ كَبِيرَةً فَاسِقٌ وَإِنْ كَانَ أَعْبَدَ النَّاسِ بِخِلَافِ الْكُفْرِ وَالْإِسْلَامِ فَإِنَّهُ لَا يُمْكِنُ اجْتِمَاعُهُمَا فِي شَخْصٍ وَاحِدٍ فِي حَالَةٍ مِنَ الْأَحْوَالِ۔

"کیونکہ عبادت فسق کے خلاف نہیں ہے اس لئے کہ دونوں کا ایک وقت میں ایک شخص میں جمع ہونا ممکن ہے جیسے کوئی آدمی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے تو وہ فاسق ہو جاتا ہے گو کہ وہ شخص لوگوں میں زیادہ عابد ہو بخلاف کفر و اسلام کے تو بے شک ان دونوں کا اجتماع ایک شخص میں ایک حالت میں کسی طرح ممکن نہیں ہے۔"

یعنی عابد ہو کر فاسق ہو سکتا ہے یعنی اسے عابد فاسق کہہ سکتے ہیں لیکن ایک وقت میں ایک شخص مسلمان اور کافر نہیں ہو سکتا ہے۔ اس سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں جو عبادت گذاروں کے فسق و فجور کے باوجود انہیں فاسق و فاجر کہنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور ان کے اعمال میں کبیرہ گناہ اخلاقی یا اعتقادی شامل ہوں پھر بھی جاہلوں کی نظر صرف ظاہری عبادت پر ہوتی ہے اور برائے نام مسلمان گو کئی طرح کے الحاد، بد اعتقادی کا حامل ہو اور کفر کی حد تک ارتکاب کر چکا ہو اسے بعض کم علم یا ضعیف ایمان رکھنے والے لوگ پھر بھی خالص مسلمان سمجھتے ہیں حالانکہ اسلام و کفر ایک شخص میں ایک وقت کے اندر جمع نہیں ہو سکتے ہیں:

وَقَالَ ابْنُ دَقِيقِ الْعِيدِ فِي قَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ "وَمَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكُفْرِ وَلَيْسَ كَذٰلِكَ إِلَّا حَارَ عَلَيْهِ" أَيْ رَجَعَ وَهٰذَا وَعِيدٌ عَظِيمٌ لِمَنْ كَفَّرَ أَحَدًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَلَيْسَ هُوَ كَذٰلِكَ وَهُوَ وَرْطَةٌ عَظِيمَةٌ وَقَعَ فِيهَا خَلْقٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ اخْتَلَفُوا فِي الْعَقَائِدِ وَحَكَمُوا بِكُفْرِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا۔ (الاعلام)

"اور ابن دقیق العید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بارے میں کہا اور جس نے کسی آدمی کو کفر کے ساتھ پکارا حالانکہ وہ شخص اس طرح کا نہ تھا تو کفر اس پر

لوٹ آئے گا اور یہ عظیم درجہ کی وعید ہے ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے مسلمانوں
کو کافر کہا حالانکہ وہ مسلمان کافر نہ تھا اور یہ ورطۂ عظیمہ ہے جس میں علماء کا ایک
طبقہ مبتلا ہے جنہوں نے عقائد میں اختلاف کیا ہے اور بعض نے بعض پر
کفر کا حکم لگایا ہے۔"

معلوم ہوا کہ بلا وجہ کفر کسی کو کافر کہنا خود کو کافر ہو جانے کی دعوت دینا ہوتا ہے
اور یہ بھی واضح ہے کہ کفر کے وجوہات کے تحقق سے کفر خود بخود وارد ہو جاتا ہے چاہے
اسے کوئی کافر کہے یا نہ کہے۔ کفر ایمان کی ضد ہے، ایک کے تحقق سے دوسرے کا انتفاء
ہونا یقینی امر ہے، اس وقت کفر کسی کا انتظار نہیں کرتا ہے، دن کے غائب ہونے پر رات
کا آجانا قطعی امر ہے، روشنی کا نہ ہونا اندھیرا ہوتا ہے اور اندھیرے کا نہ ہونا ہی روشنی ہے۔

صاحب الاعلام نے مواقف اور شرح مواقف کی عبارت کو نقل کیا ہے۔

وَفِي الْمَوَاقِفِ وَشَرْحِهَا: وَمَنْ صَدَّقَ بِمَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ ذٰلِكَ سَجَدَ لِلشَّمْسِ كَانَ غَيْرَ
مُؤْمِنٍ بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّ سُجُوْدَهُ لَهَا يَدُلُّ بِظَاهِرِهٖ عَلٰى أَنَّهٗ
لَيْسَ بِمُصَدِّقٍ وَنَحْنُ نَحْكُمُ بِالظَّاهِرِ فَلِذٰلِكَ حَكَمْنَا
بِعَدَمِ إِيْمَانِهٖ لِأَنَّ عَدَمَ السُّجُوْدِ لِغَيْرِ اللهِ دَاخِلٌ فِيْ حَقِيْقَةِ
الْإِيْمَانِ حَتّٰى لَوْ عَلِمَ أَنَّهٗ لَمْ يَسْجُدْ لَهَا عَلٰى سَبِيْلِ التَّعْظِيْمِ
وَاعْتِقَادِ الْإِلٰهِيَّةِ بَلْ سَجَدَ لَهَا وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالتَّصْدِيْقِ
لَمْ يُحْكَمْ بِكُفْرِهٖ فِيْمَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللهِ وَإِنْ أُجْرِيَ عَلَيْهِ
حُكْمُ الْكَافِرِ فِي الظَّاهِرِ۔ انتہٰی۔

"مواقف اور شرح مواقف میں ہے: جس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی تصدیق تمام ان چیزوں میں کی جو آپ اللہ کی طرف سے لائے اور اس کے باوجود

وہ شخص سورج کو سجدہ کر چکا تو ایسا شخص بالاجماع مومن و مسلمان نہیں ہے اسلئے کہ
اس کا سورج کو سجدہ کرنا بظاہر دلالت کرتا ہے کہ وہ شخص دل سے تصدیق کرنے والا
نہیں ہے اور ہم ظاہر پر ہی حکم لگائیں گے کہ وہ مسلمان نہیں ہے، اسی وجہ سے
ہم نے اس کے غیر مومن ہونے کا حکم دیا، دلیل یہ ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کرنا ہی ایمان
کی حقیقت میں داخل ہے اگر وہ شخص یقین رکھتا ہے کہ اس نے سورج کو سجدہ
نہیں کیا تعظیم کے طور پر اور نہ اعتقادِ الوہیت کے طور پر بلکہ سورج کو سجدہ جب
کیا تھا تو اس کا دل اس وقت تصدیقِ مذکور کے ساتھ مطمئن تھا تو اس وقت
اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا اس حالت پر جو اس بندے اور اللہ کے
درمیان ہے لیکن اس پر کافر ہونے کا حکم ظاہر میں جاری کیا جائے گا۔"

اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ کفر کا حکم ظاہری حالت پر لگایا جاتا ہے کوئی بھی
عالم ہو کہ جاہل، پیر ہو یا کہ مرید، حاکم ہو یا کہ محکوم، امیر ہو یا غریب، صحافی نامور ہو یا کہ
صحافت سے بے خبر، حکومتِ اسلامیہ کا باشندہ ہو یا کہ غیر اسلامیہ حکومت کا رہنے والا ہو
اسلام یا کفر میں سے کسی ایک کے ساتھ موصوف ہونا ضروری ہے۔

وَنَحْنُ نَحْكُمُ بِالظَّاهِرِ فَلِذٰلِكَ حَكَمْنَا بِعَدَمِ إِيْمَانِهٖ۔

"ہم ظاہر پر حکم کرتے ہیں اس لئے ہم نے اس کے عدم ایمان پر حکم لگایا۔"

اَللَّفْظُ ظَاهِرٌ فِي الْكُفْرِ وَعِنْدَ ظُهُوْرِ اللَّفْظِ فِيْهِ لَا يَحْتَاجُ
إِلَى النِّيَّةِ كَمَا عُلِمَ مِنْ فُرُوْعٍ كَثِيْرَةٍ۔

"لفظ ظاہر ہے کفر میں لفظِ صریح نیت کا محتاج نہیں ہوتا جیسا کہ کئی فروعات
سے معلوم ہے۔"

اَلْمَدَارُ فِي الْحُكْمِ بِالْكُفْرِ عَلَى الظَّوَاهِرِ وَلَا نَظَرَ
لِلْمَقْصُوْدِ وَالنِّيَّاتِ وَلَا نَظَرَ لِقَرَائِنِ حَالِهٖ۔

"کفر کے حکم کا معیار ومدار ظاہر پر ہوتا ہے، مقصود ونیت کا لحاظ نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے حال کے قرائن واشارات کا لحاظ ہے۔"

شرح فقہ اکبر میں جواہر کے حوالہ سے یہ عبارت درج ہے:

مَنْ قَالَ لَوْ كَانَ كَذَا غَدًا وَإِلَّا أَكْفُرُ كَفَرَ مِنْ سَاعَتِهٖ۔

"جس نے کہا اگر ایسا ہوا کل تو ورنہ کافر ہو جاؤں گا تو وہ اسی وقت کافر ہو گیا۔"

اس لئے کہ رضا بالکفر کفر ہوتا ہے۔

اور اسی شرح فقہ اکبر میں محیط کے حوالہ سے ہے:

مَنْ قَالَ فَأَنَا كَافِرٌ أَوْ فَأَكْفُرُ (إِلَى) هُوَ كَافِرٌ مِنْ سَاعَتِهٖ۔

"جس نے کہا میں کافر ہوں یا کفر کرلوں گا تو ایسا شخص اسی وقت کافر ہو جاتا ہے۔"

ایک اور عبارت اس طرح ہے:

وَهٰذَا ظَاهِرٌ لِأَنَّ إِرَادَةَ الْكُفْرِ كُفْرٌ۔

"اور یہ ظاہر ہے کیونکہ کفر کا ارادہ کرنا کفر ہوتا ہے۔"

پھر صاحبِ شرح فقہ اکبر محیط اور مجمع الفتاوٰی سے نقل فرماتے ہیں:

مَنْ عَزَمَ عَلٰى أَنْ يَأْمُرَ أَحَدًا بِالْكُفْرِ كَانَ بِعَزْمِهٖ كَافِرًا۔

"جس نے یہ ارادہ کیا کہ کسی کو کفر کا حکم کرے تو اس پختہ ارادہ ہی سے کافر ہو جائے گا۔"

اسی میں مزید عبارت قونوی سے ہے:

لَوْ تَلَفَّظَ بِكَلِمَةِ الْكُفْرِ طَائِعًا غَيْرَ مُعْتَقِدٍ لَهٗ يَكْفُرُ لِأَنَّهٗ رَاضٍ بِمُبَاشَرَتِهٖ وَإِنْ لَمْ يَرْضَ بِحُكْمِهٖ كَالْهَازِلِ بِهٖ فَإِنَّهٗ يَكْفُرُ وَإِنْ لَمْ يَرْضَ بِحُكْمِهٖ وَلَا يُعْذَرُ

بِالْجَهْلِ وَهٰذَا عِنْدَ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ۔

"اگر کسی نے خوشی سے کلمۂ کفر بولا حالانکہ کفر کا عقیدہ نہیں تھا پھر بھی کافر ہو گیا اس لئے کہ وہ شخص کفر کے ساتھ ملنے جلنے پر راضی ہے گو کہ وہ کفر کے حکم پر راضی ہے جیسے کفر کے ذریعے تمسخر ٹھٹھا کرنے والا کافر ہو جاتا ہے اگرچہ حکمِ کفر کے ساتھ راضی نہ ہو اور جہالت کی وجہ سے معذور نہیں سمجھا جائے گا اور یہ حکم عام علماء کے نزدیک ہے۔"

الاشباہ والنظائر میں شیخ زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم مرتد کے احکام کے بارے میں فرماتے ہیں:

لَا يُقَرُّ الْمُرْتَدُّ وَلَوْ بِجِزْيَةٍ وَلَا يَصِحُّ نِكَاحُهٗ وَلَا تَحِلُّ ذَبِيحَتُهٗ وَيُهْدَرُ دَمُهٗ وَيُوْقَفُ مِلْكُهٗ وَتَصَرُّفَاتُهٗ وَلَا يُسْبٰى وَلَا يُفَادٰى وَلَا يُمَنُّ عَلَيْهِ وَلَا يَرِثُ وَلَا يُوْرَثُ وَلَا يُدْفَنُ فِيْ مَقَابِرِ أَهْلِ مِلَّةٍ وَلَا يَتْبَعُهٗ وَلَدُهٗ فِيْهَا۔

"مرتد کو قرار وسکون نہ دیا جائے گو جزیہ کے ذریعہ ہو اور نہ اس کا نکاح ہی صحیح ہے اور نہ اس کا ذبیحہ حلال ہے اور اس کا خون بہایا جائے اور اس کی ملکیت وتصرفات کو وقف بنایا جائے اور نہ اسے قید کیا جائے اور نہ ہی فدیہ لے کر چھوڑا جائے اور نہ اس پر کوئی احسان کیا جائے اور نہ وہ کسی کا وارث ہوگا اور نہ ہی اس کا کوئی وارث ٹھہرایا جائے گا اور اسے مذہبی لوگوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے اور اس کا بیٹا، مرتد باپ کی ملت کے تابع نہ ہوگا۔"

معلوم ہوا کہ مرتد کے احکام اصلی کافر کے احکام سے علیحدہ ہیں اور مرتد اگرچہ کافر ہوتا ہے مگر اصلی کافر سے زیادہ سخت ہوتا ہے اس لئے عام مرتد کے لئے توبہ یا قتل کی سزا ہے اور یہ اصلی کافر کی سزا نہیں ہے۔

یاد رہے کہ کسی کافر شخص نے اگر اہلِ علم مسلمان سے سوال کیا کہ میں اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہوں، مجھے اسلام کا کلمہ تلقین کرو، پڑھاؤ، دوسرے مسلمان باشعور نے کہا صبر کرو تاکہ میں فارغ ہو جاؤں یا ٹھہرو غسل کرو وغیرہ وغیرہ تو اس طرح کہنے کا یہ مطلب ہوگا کہ یہ مسلمان کافر کے کچھ وقت کے لئے کفر پر رہنے میں راضی ہے تو یہ کفر ہوگا کیونکہ رضا بالکفر کفر ہی ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں ہر مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ کافر کو کلمہ پڑھا کر مسلمان بنائے اور بعد میں دوسرے احکام کی تلقین کرے۔ کلمہ سے مراد ہے، توحید و رسالت کی گواہی کا زبان سے اقرار کرائے اور جس کفری مذہب پر وہ تھا اس سے چاہے کسی زبان سے ہو اس کو انکار کرا دے، عربی زبان میں کہلانا ضروری نہیں ہے بلکہ کلمۂ اسلام کا مطلب زبان سے اقرار کرا دے۔

اَنَّ مُتَضَمِّنٌ لِّلرِّضَاءِ بِبَقَائِہٖ عَلَی الْکُفْرِ وَلَوْ لَحْظَۃً
وَالرِّضَاءُ بِالْکُفْرِ کُفْرٌ۔ (اعلام)

"بے شک ایسا کرنا کفری حالت پر باقی رکھنے پر راضی ہونے کو شامل ہے گو ایک ساعت کے لئے ہو اور کفر پر رضا کفر ہوتا ہے۔"

وَالشَّکُّ فِیْ رِسَالَۃِ الْمُرْسَلِیْنَ صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلٰی
نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ بَلْ اَوْ رِسَالَۃِ مَنْ عُلِمَتْ رِسَالَتُہٗ
مِنْھُمْ ضَرُوْرَۃً کُفْرٌ بِلَا نِزَاعٍ۔

"اور رسولوں (مرسلوں) صلوات اللہ وسلامہ علیٰ نبینا وعلیہم اجمعین کی رسالت میں شک کرنا بلکہ ہر رسول کی رسالت میں شک کرنا جن کی رسالت بداہۃً ثابت ہو کفر ہے بغیر نزاع کے۔"

وَالشَّکُّ فِی الْفَرَائِضِ الْکُفْرُ بِہٖ وَاضِحٌ لِاَنَّہٗ یَسْتَلْزِمُ
الشَّکَّ فِی الضَّرُوْرِیَّاتِ الْمَعْلُوْمَۃِ مِنَ الدِّیْنِ وَھُوَ کُفْرٌ

کَاِنْکَارِھَا۔ (الاعلام بقواطع الاسلام)

"اور (اسلام کے) فرضوں میں شک واضح کفر ہے اس لئے کہ یہ شک دین کی ضروریات میں شک کو لازم ہے اور ضروریاتِ دین میں شک ان کے انکار کی طرح ہے (یعنی ضروریاتِ دین میں شک کرنا ہی کفر و انکار کفر ہوتا ہے۔"

اجماعِ علماء

صاحبِ اعلام شفاء سے نقل فرماتے ہیں:۔

اَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰی اَنَّ مَنْ دَعَا عَلٰی نَبِیٍّ مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ
بِالْوَیْلِ اَوْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْمَکْرُوْہِ اَنَّہٗ یُقْتَلُ بِلَا اسْتِتَابَۃٍ۔

"علماء کا اجماع ہے کہ بے شک جس نے کسی نبی پر بددعاء کی (ویل) سخت مصیبت وہلاکت کی یا کسی برائی کی بددعاء مانگی، بے شک وہ شخص قتل کیا جائے اور اس سے توبہ نہ کرائی جائے۔"

یعنی علماء کا اجماع ہے کہ اگر کوئی کسی نبی کی بدخواہی چاہے تو وہ واجب القتل ہے اس کی توبہ قبول نہیں ہے اور اگر سب و شتم یعنی گالیاں یا تنقیص کے بغیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دیا تو اس کی توبہ قبول ہوگی اگر صدقِ دل سے توبہ کرے اور اس سے توبہ کرنے کا مطالبہ بھی ضروری ہوگا۔ اس حد تک یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔

اَنَّ مَنْ کَفَرَ بِغَیْرِ سَبِّہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْ تَنْقِیْصِہٖ
تُقْبَلُ تَوْبَتُہٗ اِتِّفَاقًا وَتَجِبُ اسْتِتَابَتُہٗ عَلَی الْاَصَحِّ۔

"بے شک جس نے کفر کیا بغیر گالیاں دینے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یا آپ کی تنقیص کئے بغیر تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اتفاقی طور پر اور توبہ کرانا بھی واجب ہے مذہب اصح پر۔"

وَاَمَّا مَنْ کَفَرَ بِسَبِّہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْ تَنْقِیْصِہٖ صَرِیْحًا

اَوْ ضِمْنًا وَ مِثْلُہُ الْمَلَکُ فَاخْتَلَفُوْا فِیْ تَحَتُّمِ قَتْلِہٖ فَقَالَ الْاِمَامُ مَالِکٌ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَاَصْحَابُہٗ یُقْتَلُ حَدًّا لَا رِدَّۃً وَلَا تُقْبَلُ تَوْبَتُہٗ وَلَا عُذْرُہٗ وَاِنِ ادَّعٰی سَھْوًا اَوْ نَحْوَہٗ۔

"اور مگر جس شخص نے نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں یا تنقیص صراحۃً یا ضمنًا کی اور اسی طرح فرشتہ کا بھی حکم ہے تو اس شخص کے قتل ضروری ہیں علما مختلف ہیں۔ امام مالک رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں نے کہا اسے قتل کیا جائے بطورِ حد کے نہ ردّت کے اور اس کی توبہ اور اس کا عذر قبول نہ کیا جائے گو وہ شخص بھول وغیرہ کا دعوےٰ کرے۔"

صاحبِ مختصر سے بھی نقل فرمایا کہ جس شخص نے نبی یا فرشتہ کو گالیاں دیں گو کہ اشارۃً ہو یا لعن طعن کرے یا عیب نکالے یا تہمت لگائے یا استخفاف کرے یا ان کی کسی صفت کو بدل دے یا ان کے ساتھ ان کے دین میں نقص کا الحاق کرے یا ان کی کسی خصلت میں نقص نکالے یا ان کے مرتبہ اور وافر علم و زہد کو گھٹائے یا آپ کی طرف ایسی چیز کی نسبت کرے جو آپ کے لائق نہیں ہے وغیرہا عیوب نکالے تو اس کا حکم یہ ہے :-

قُتِلَ وَلَمْ یُسْتَتَبْ حَدًّا۔

"اسے قتل کیا جائے بطورِ حد کے اور اس سے توبہ نہ کرائی جائے۔"

اس شرعی حکم پر چند دلائل ملاحظہ ہوں :-

الاوّل : اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا ۔

"بے شک جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی ان پر اللہ کی لعنت دنیا و آخرت میں ہے اور ان کے لئے اللہ نے اذیت والا عذاب تیار کیا ہے۔"

تو گویا اس کو اللہ نے اپنی رحمت سے دور فرما دیا اور اسے عذاب میں ڈال دیا اور یہ سزا کافر ہی کو ہو سکتی ہے ورنہ رحمتِ الٰہی مسلمان کے لئے قریب ہوتی ہے اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ تو گستاخ کا حکم قتل ہے کیونکہ آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اذیت کفر ہے، فرق صرف یہ ہے کہ اللہ کو اذیت پہنچانا تو مجازی طور پر ہے کیونکہ حقیقت میں کوئی مخلوق اللہ کو اذیت نہیں پہنچا سکتی ہے، اللہ تعالےٰ مخلوق پر قادر و غالب ہے اور وہ خفیف شر جو دکھ و درد والا ہے اس کا پہنچانا اذیت ہے، اگر اس درجہ سے شر بڑھ جائے تو اسے اضرار کہا جاتا ہے۔ دنیا میں لعنت سے قتل ہی مراد ہے، سزا اس جرم کے مطابق یہی ہو سکتی ہے اصل میں اذیت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی جاتی تھی، اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب کی اذیت کو اپنی اذیت قرار دیا تاکہ اس کی سزا بھی سخت ہو اور اس طرح رسول سے محبت اور ان کی عظمت بھی دوبالا ہو جائے گی نیز یہ بھی واضح ہو جائے کہ رسول کی اذیت اصل میں اللہ کی اذیت ہے۔

الثانی :

قُلْ اَبِاللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ وَرَسُوْلِہٖ کُنْتُمْ تَسْتَھْزِءُوْنَ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ کَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ۔

"فرما دیجئے کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کرتے ہو، تم عذر و معذرت نہ کرو بے شک تم نے ایمان کے بعد کفر کر لیا۔"

اور اس کفر کا سبب وہ قول تھا جس کو منافق طبقہ نے رسول کی شان میں کہا تھا کہ آپ کو ہمارے حالات کا علم نہیں تو آپ غیب کی خبریں کیا دیں گے۔

اس آیت سے واضح ہو چکا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ادنےٰ گستاخی بھی انسان کو مرتد بنا دیتی ہے۔

الثالث :

ابوداؤد اور ترمذی کی حدیث میں ہے :

مَنْ لَنَا بِابْنِ الْاَشْرَفِ مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ

"ایسا کون ہے ہمارے لئے جو ابنِ اشرف کو مارے"

فَقَدِ اسْتَعْلَنَ بِعَدَاوَتِنَا وَهِجَائِنَا۔

"بے شک اس نے ہماری دشمنی اور برائی کا کھلم کھلا اعلان کر دیا ہے"

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

فَاِنَّهٗ يُؤْذِى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔

"کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی ہے"

تو اس کے بعد ایک شخص کو بھیجا گیا جس نے اس کو قتل کر دیا۔

اس حدیث میں اس کے قتل کرنے کی اصل وجہ ایذاء قرار دیا گیا ہے۔

صاحبِ اعلام فرماتے ہیں:

لَوْ اَسْلَمَ كَافِرٌ فَاَعْطَاهُ النَّاسُ اَمْوَالًا فَقَالَ مُسْلِمٌ لَيْتَنِىْ كُنْتُ كَافِرًا فَاَسْلَمَ فَاُعْطٰى قَالَ بَعْضُ النَّاسِ يُكْفَرُ۔

"اگر کافر اسلام لاتے پھر اسے لوگ بہت سامال عطیّہ کے طور پر دیں، (اس دوران) کوئی مسلمان کہے کاش میں کافر ہوتا پھر میں اسلام قبول کرتا تو مجھے بہت سامال دیا جاتا۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ وہ شخص کافر ہو گیا (کیونکہ اس نے کفر کی آرزو کی ہے)"

وَلِهٰذَا يُقْطَعُ بِتَكْفِيْرِ كُلِّ قَائِلٍ قَوْلًا يُتَوَصَّلُ بِهٖ اِلٰى تَضْلِيْلِ الْاُمَّةِ اَوْ تَكْفِيْرِ الصَّحَابَةِ۔

"اور ایسے ہی قطعی طور پر ہر ایسی بات کرنے والے کو کافر ٹھہرایا جائے گا جس کی بات سے امتِ مسلمہ کی تضلیل ہوتی ہو یا صحابہ کرام کی تکفیر ہوتی ہو"

جب عام امتِ مسلمہ کا یہ حال ہے تو علماءِ حق اور اولیاءِ کاملین عارفین کی

ناحق مطلقاً تضلیل و تذلیل کرنے سے کفر کیونکر واقع نہ ہو گا اور صحابہ کرام و اہلِ بیتِ عظام کے ذریعے اسلام پھیلا اور بے مثال جانی و مالی قربانیاں دے کر اللہ و رسول کی رضا کے حقدار ہو گئے ہیں ان کی تکفیر کرنے والا خود ہی کافر ہو جاتا ہے۔ پھر سلیمان رشدی جیسے بے باک شیطان گستاخ کے مرتد ہونے اور اس کے واجب القتل ہونے میں کیسے توقف کیا جا سکتا ہے جس نے پورے اسلام اور انبیاء کرام سابقین کا مذاق اڑایا ہے۔ لندن کے سلمان رشدی مرتد کی طرح ایک وہ بھی مرتد تھا جس نے تیونس میں ۷۸۴ھ میں گستاخی کی تھی:

اِنَّ رَجُلًا قَالَ لِاٰخَرَ اَنَا عَدُوُّكَ وَعَدُوُّ نَبِيِّكَ فَعُقِدَ لَهٗ مَجْلِسٌ فَاَفْتٰى بَعْضُ الْمَالِكِيَّةِ بِاَنَّهٗ مُرْتَدٌّ وَاُخِذَ كُفْرُهٗ مِنْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَمَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ الْاٰيَة، وَاَفْتٰى بَعْضُهُمْ بِاَنَّ كُفْرَهٗ كُفْرُ تَنْقِيْصٍ فَلَا يُسْتَتَابُ وَاُخِذَ ذٰلِكَ مِمَّا فِى الشِّفَاءِ مِنْ اَنَّ امْرَاَةً سَبَّتِ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ يَكْفِيْنِىْ عَدُوَّتِىْ؟ فَقُتِلَتْ وَمِنْ كَوْنِ خَالِدٍ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَتَلَ مَنْ قَالَ لَهٗ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاحِبُكُمْ وَمِنْ اِفْتَاءِ ابْنِ عَتَّابٍ بِقَتْلِ مَنْ قَالَ اِنْ سَاَلْتُ اَوْ جَهِلْتُ فَقَدْ سَاَلَ وَجَهِلَ نَبِيُّكَ۔

(الاعلام بقواطع الاسلام۔ ص ۳۸۰)

"ایک آدمی نے دوسرے سے کہا میں تیرا دشمن ہوں اور تیرے نبی کا دشمن ہوں تو اس شخص کے لئے ایک مجلس (فقہاء کی) منعقد ہوئی بعض مالکی علماء نے فتوےٰ دیا کہ وہ مرتد ہے۔ اس شخص کا کفر اس آیت سے اخذ کیا گیا ہے (جو شخص اللہ کا دشمن ہے، آخر تک) اور ان کے بعض علماء نے

یہ فتویٰ دیا کہ ان کا کفر تنقیص کا کفر ہے، اس میں توبہ نہیں کرائی جائیگی اور یہ حکم فتوے شفاء سے لیا گیا ہے بے شک ایک عورت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون میرے لئے میرے دشمن کو کافی ہوگا تو وہ (عورت) قتل کی گئی اور یہ حکم لیا گیا ہے (اس واقعہ سے بھی) جب خالد رضی اللہ عنہ نے قتل کیا اس شخص کو جس نے آپ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے (تمہارا صاحب) کہا تھا اور یہ حکم لیا گیا ابن عتاب کے فتوے سے کہ آپ نے قتل کا حکم دیا جس نے کہا (میں اگر پوچھوں یا نہ جانوں) تو تمہارے نبی نے بھی پوچھا اور نہ جانا۔"

فَمِنْ ذٰلِكَ اَنَّ مَنْ سَبَّ نَبِيَّنَا عَلَيْهِ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ (الى) اَوْ عَابَهٗ اَوْ اَلْحَقَ بِهٖ نَقْصًا فِىْ نَفْسِهٖ اَوْ نَسَبِهٖ اَوْ دِيْنِهٖ اَوْ خَصْلَةٍ مِّنْ خِصَالِهٖ اَوْ عَرَّضَ اَوْ شَبَّهَهٗ بِشَيْءٍ عَلٰى طَرِيْقِ السَّبِّ وَالْاِزْرَاءِ اَوِ التَّصْغِيْرِ بِشَانِهٖ اَوِ الْعَرْضِ اَوِ الْعَيْبِ لَهٗ اَوْ لَعَنَهٗ اَوْ دَعَا عَلَيْهِ اَوْ تَمَنّٰى لَهٗ مَضَرَّةً اَوْ نَسَبَ اِلَيْهِ مَا لَا يَلِيْقُ بِمَنْصَبِهٖ عَلٰى طَرِيْقِ الذَّمِّ (الى) كَانَ كَافِرًا بِالْاِجْمَاعِ كَمَا حَكَاهُ جَمَاعَةٌ (الى) سَوَاءٌ اَصْدَرَ مِنْهُ جَمِيْعُ ذٰلِكَ اَوْ بَعْضُهٗ فَيُقْتَلُ وَلَا تُقْبَلُ تَوْبَتُهٗ عِنْدَ اَكْثَرِ الْعُلَمَاءِ وَعَلَيْهِ جَمَاعَةٌ مِّنْ اَصْحَابِنَا بَلِ ادَّعٰى فِيْهِ الشَّيْخُ اَبُوْبَكْرِ الْفَارِسِىُّ الْاِجْمَاعَ۔ (الاعلام)

"اس وجہ سے بے شک جس کسی نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دیں (یہاں تک) یا عیب نکالا، نقص کا الحاق کیا ان کی ذات میں یا ان کے نسب میں یا ان کے دین میں یا ان کی خصلت میں یا گالی یا عیب جوئی کے طور پر کسی شے

کے ساتھ اشارۃً تشبیہ دی یا ان کی شان کی یا عزت کی چھوٹائی کا الحاق کیا یا عیب لعن (طعن یا بدعا) کی، یا آپ کی مضرت کی تمنا کی یا آپ کی طرف ایسی چیز کی نسبت کی جو آپ کی شان کے لائق نہیں بطور مذمت کے وغیرہ وغیرہ بُرے امور تو ایسا شخص بالاجماع کافر ہوگیا جس کو ایک جماعتِ فقہاء نے بیان کیا، عام ہے کہ یہ سب مذکورہ چیزیں اس گستاخ سے صادر ہوں یا ان میں سے بعض امورِ اہانت کا صدور ہو، ایسا گستاخ قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ اکثر علماء کے نزدیک قبول نہیں کی جائے گی اور اسی پر ہمارے اصحاب کی جماعت قائم ہے بلکہ اس میں شیخ ابوبکر فارسی نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔"

وَمِنْهَا مَا نُقِلَ عَنْ مَالِكٍ مِنْ تَادِيْبِ مَنْ عُيِّرَ بِالْفَقْرِ فَقَالَ قَدْ رَعَى النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَنَمَ لِاَنَّهٗ عَرَّضَ بِذِكْرِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ غَيْرِ مَوْضِعِهٖ قَالَ مَالِكٌ وَلَا يَنْبَغِىْ لِاَهْلِ الذُّنُوْبِ اِذَا عُوْقِبُوْا اَنْ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخْطَأَتِ الْاَنْبِيَاءُ قَبْلَنَا۔

اور ان امور میں سے وہ ہے جس کو نقل کیا امام مالک سے، ایسے شخص کو سزا دی جس کو فقر کا عار دلایا گیا تو اس نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائیں کیونکہ اس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو نامناسب مقام پر ذکر کیا۔ امام مالک نے فرمایا کسی گناہ والے کے لئے مناسب نہیں کہ اسے جب سزا دی جائے تو وہ یہ کہے کہ ہم سے پہلے انبیاء نے بھی خطائیں کیں۔"

معلوم ہوا کہ بے محل غیر مناسب مقام پر نبی علیہ السلام کا ذکر کرنا بے ادبی ہے، یہ قابلِ سزا جرم ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف خطاؤں کی نسبت اس لئے کرنا کہ گنہگار

قابلِ سزا اپنے آپ کو قابلِ ملامت ہونے سے بچائے تو یہ بھی قابلِ تادیب جرم ہے، عام امتی کو نبی کے ہم پلہ ہونا کسی بھی طرح جائز نہیں ہے۔

وَمِنْهَا: قَالَ بَعْضُ الْحَنَفِيَّةِ: إِعْلَمْ أَنَّ مَنْ تَلَفَّظَ بِلَفْظِ الْكُفْرِ يَكْفُرُ وَإِنْ لَمْ يَعْتَقِدْ أَنَّهُ لَفْظُ الْكُفْرِ وَلَا يُعْذَرُ بِالْجَهْلِ وَكَذَا مَنْ ضَحِكَ عَلَيْهِ أَوِ اسْتَحْسَنَهُ أَوْ رَضِيَ بِهِ يَكْفُرُ وَمَنْ أَتَى بِلَفْظِ الْكُفْرِ حَبِطَ عَمَلُهُ وَتَقَعُ الْفُرْقَةُ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ وَيُجَدِّدُ النِّكَاحَ بِرِضَاءِ الزَّوْجَةِ إِنْ كَانَ الْكُفْرُ مِنَ الزَّوْجِ وَإِنْ كَانَ مِنَ الزَّوْجَةِ يُجْبَرُ عَلَى النِّكَاحِ وَهٰذَا بَعْدَ تَجْدِيدِ الْإِيْمَانِ وَالتَّبَرِّيْ مِنْ لَفْظِ الْكُفْرِ حَتّٰى أَنَّ مَنْ أَتَى بِالشَّهَادَةِ عَادَةً وَلَمْ يَرْجِعْ عَمَّا قَالَهُ لَا يَرْتَفِعُ الْكُفْرُ عَنْهُ يَكُوْنُ وَطْؤُهُ وَطْأً زِنًا وَوَلَدُهُ وَلَدَ الزِّنَا وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَوْ مَاتَ عَلَى الْكُفْرِ حَبِطَ عَمَلُهُ وَلَوْ نَدِمَ وَجَدَّدَ الْإِيْمَانَ لَمْ يَحْبِطْ عَمَلُهُ وَلَا يَلْزَمُهُ تَجْدِيْدُ النِّكَاحِ وَلَوْ صَلّٰى صَلٰوةَ الْوَقْتِ ثُمَّ أَسْلَمَ لَمْ يَقْضِهَا وَعِنْدَنَا يَقْضِيْهَا وَكَذَا الْحَجُّ فَلَوْ أَتَى بِكَلِمَةٍ فَجَرٰى عَلٰى لِسَانِهٖ كَلِمَةُ الْكُفْرِ بِلَا قَصْدٍ لَا يَكْفُرُ۔ (انتہی کلام ھٰذا الحنفی)

(الاعلام)

"بعض حنفیوں نے کہا جان لو بے شک جس نے لفظِ کفر بولا وہ کفر کر گیا گو کہ اس نے کفر کا عقیدہ نہ رکھا اور اس کا عذرِ جہالت قبول نہ ہوگا اور ایسے ہی جس نے کفر کے لفظ کے ساتھ ہنسی کی یا کفر کو بہتر سمجھا یا کفر کے ساتھ راضی ہوا تو کافر ہو گیا اور جس نے لفظِ کفر بولا اس کا عمل ضائع ہو گیا اور خاوند و بیوی کے درمیان

فرقت وجدائی واقع ہو گئی، نکاح دوبارہ کرنا ہوگا بیوی کی رضا کے ساتھ، اگر کفر خاوند کی طرف سے ہوا ہو اور اگر کفر بیوی کی طرف سے ہوا ہو تو اس کو نکاح پر مجبور کیا جائے اور یہ تجدیدِ ایمان کے بعد اور لفظِ کفر سے بیزاری کے بعد، اس حد تک کہ بے شک جس نے کلمۂ شہادت عادت کے طور پر پڑھا اور جو کفر بول گیا اس سے رجوع نہ کیا تو اس سے کفر نہیں اٹھے گا اور اس کی وطی زنا ہوگی اور اس کی اولاد ولدِ زنا ہوگی اور امامِ شافعی کے نزدیک ایک شخص اگر مر گیا تو اس کے اعمال ضائع ہوں گے اور اگر نادم ہوا اور ایمان تازہ کیا، اس کے اعمال ضائع نہ ہوں گے اور نہ اسے تجدیدِ نکاح لازم ہوگا اور اگر نمازِ وقت پڑھ گیا پھر اسلام لایا، اس کو قضاء نہ کرے اور ہمارے نزدیک اس کو بھی قضاء کرے اور ایسے ہی حج قضاء کرے گا اور اگر کوئی ایک کلمہ زبان پر لایا تو اس کی زبان پر کلمۂ کفر جاری ہو گیا کسی ارادے کے بغیر تو وہ شخص کافر نہ ہوا"

صاحبِ اعلام کی ان عباراتِ حنفیہ سے معلوم ہوا کہ بعض حنفیوں کے نزدیک عقیدۂ کفر نہ رکھتے ہوئے بھی لفظِ کفر بولنے سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے چاہے جہالت سے ہو یا ہنسی مذاق سے ہو یا اس کلمۂ کفر سے راضی ہو اور ایمان کفر سے ختم ہو جاتا ہے جب ایمان ہی نہ رہا تو اسلامی نکاح بھی ختم ہو جاتا ہے، ایمان لانے کے بعد تجدیدِ نکاح بھی ضروری ہوگا اگر بیوی راضی ہو کہ اس خاوند سے تجدیدِ نکاح کرے اور اگر ارتداد بیوی کی طرف سے وارد ہوا ہو تو پھر بطورِ زجر اسی سابق خاوند سے دوبارہ نکاح کرنے پر مجبور کی جائے گی، اگر کوئی غیر کفری کلمہ زبان پر لانا چاہتا تھا مگر اس کی زبان پر کلمۂ کفری جاری ہو جاتا تھا اور اس میں کسی قسم کا قصد کا تعلق بھی نہیں تھا تو ایسے حال میں کفر واقع نہ ہوگا کہ اس بندہ عاجز ہے۔

یاد رہے اس عبارت کو نقل کرنے کے ساتھ ساتھ برمنگھم یو۔ کے میں ایک جاننے پہچاننے پاکستانی نوجوان کی ایسی ہی حالت پیدا ہو گئی ہے کہ وہ دماغ میں یہی سوچتا ہے کہ غیر کفری

لفظ بولنا چاہتا ہے مگر جب بھی لفظ آدمی کا تصور کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ آدمی خدا کی مخلوق ہے اور جب بولنے لگتا ہے تو زبان سے خود بخود جاری ہو جاتا ہے کہ "آدمی خدا ہے" نعوذ باللہ من ذالک۔

مجھ سے پوچھا گیا کہ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے تو چونکہ میں اس نوجوان کو جانتا ہوں کہ وہ بدعقیدگی کا شکار نہیں ہے بلکہ یہ اس کا غیر ارادی اور اضطراری فعل ہے لہٰذا اس پر کفر وارد نہ ہوگا اور میری یہ کوشش بھی ہوئی کہ یہ شخص میرے قریب لایا جاتے تاکہ کلام الٰہی کے ذریعے اس کا علاج کیا جائے اور اس کفری بات سے بچایا جائے۔
میں نے اس نوجوان کے لئے پیغام بھیجا کہ تم مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم) بار بار پڑھو تو اس سے وہ نوجوان کلمہ کفر کہنے سے رک گیا۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک، گویا عبارت مذکورہ کی تائید و تصدیق بالمشاہدہ ہوئی۔

الرابع: شاتمِ رسول کو بوجہ اہانت و تنقیص سزائے موت بطورِ حد دئے جانے کی چوتھی دلیل یہ ہے:-

اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْفَتْحِ اٰمَنَ النَّاسَ اِلَّا جَمَاعَۃً کَانُوْا یُؤْذُوْنَہٗ مِنْھُمْ اِبْنُ اَبِیْ سَرْحٍ اِخْتَبَأَ عِنْدَ سَیِّدِنَا عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فَجَاءَ بِہٖ لَمَّا دَعَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ النَّاسَ اِلَی الْبَیْعَۃِ وَطَلَبَ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّبَایِعَہٗ فَنَظَرَ اِلَیْہِ ثَلَاثًا کُلُّ ذٰلِکَ یَاْبٰی ثُمَّ بَایَعَہٗ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلٰی اَصْحَابِہٖ فَقَالَ: مَا کَانَ فِیْکُمْ رَجُلٌ رَشِیْدٌ یَقُوْمُ اِلٰی ھٰذَا حِیْنَ کَفَفْتُ یَدَیَّ عَنْ بَیْعَتِہٖ فَیَقْتُلُہٗ، قَالُوْا: ھَلَّا اَوْمَأْتَ اِلَیْنَا فَاِنَّا لَا نَدْرِیْ مَا فِیْ نَفْسِکَ، فَقَالَ: اِنَّہٗ لَا یَنْبَغِیْ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ خَائِنَۃُ الْاَعْیُنِ۔

"بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن میں لوگوں کو امن دیا مگر ایک جماعت کو جو آپ کو اذیت پہنچاتی تھی (جن میں ابن ابی سرح بھی ہے) امن نہ دیا۔ ابن ابی سرح حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس چھپ گیا تھا حضرت عثمان نے اسے حاضر کر دیا۔ جس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کی دعوت دی اور حضرت عثمان نے آپ سے بیعت مانگی کہ ابن ابی سرح کو بھی بیعت فرمادیں۔ آپ نے تین بار اس کی طرف دیکھا، ہر بار انکار فرمادیا، پھر آپ نے ابن ابی سرح کو بیعت فرمایا۔
اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوتے تو فرمایا تم میں کوئی نیک بخت آدمی نہیں تھا کہ کھڑا ہوتا۔ اس شخص کی طرف میں نے اپنا ہاتھ اس کی بیعت سے روکا کہ اس کو قتل کر دیتا صحابہ بولے کیوں آپ نے ہماری طرف اشارہ نہ فرمایا۔ ہم تو آپ کے باطنی ارادے کو نہیں سمجھ پاتے، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی نبی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ آنکھ کی خیانت کرے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذیت رسول کی سزا موت ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ اپنا مجرم معاف فرما دیں، آپ کی یہ شان کے لائق ہے، آپ اخلاق کریمانہ کے مالک ہیں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ اَخْبَرَنَا مَالِکٌ عَنِ ابْنِ شِہَابٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَامَ الْفَتْحِ وَعَلٰی رَأْسِہِ الْمِغْفَرُ فَلَمَّا نَزَعَہٗ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ اِنَّ ابْنَ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِاَسْتَارِ الْکَعْبَۃِ فَقَالَ اقْتُلُوْہُ۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۴۹، ج ۲ ص ۶۱۲)

"عبداللہ بن یوسف، مالک، ابن شہاب، انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال اس حال میں داخل ہوئے کہ آپ خود پہنے ہوئے تھے۔ جب آپ نے اس کو اتارا تو ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی کہ ابنِ خطل کعبہ کے پردہ سے لٹکا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو قتل کر دو۔"

یہی عبداللہ بن خطل مرتد ہو گیا تھا، ارتداد کے بعد اس نے کچھ ناحق قتل کر دیئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہجو و برائی میں شعر کہتا تھا اور اس نے دو لونڈیاں بھی اسی لئے رکھی ہوئی تھیں کہ وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف گایا کرتی تھیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا تو اسے غلافِ کعبہ سے باہر نکال کر باندھا گیا اور مسجدِ حرام میں مقامِ ابراہیم اور زمزم کے درمیان اس کی گردن ماری گئی:

قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَخْرَجَ مِنْ تَحْتِ أَسْتَارِ الْكَعْبَةِ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ خَطَلٍ فَضَرَبْتُ عُنُقَهُ صَبْرًا بَيْنَ زَمْزَمَ وَمَقَامِ إِبْرَاهِيْمَ۔

(فتح الباری، ج۸ ص ۱۳ - عمدۃ القاری: ج۸ ص ۳۴۷ - ارشاد الساری، ج۶ ص ۳۹۳)

یعنی دوسرا آدمی اس جماعت سے عبداللہ بن خطل ہے اور اس کی دو لونڈیاں تھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ان کے قتل کا:-

أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِهِمْ لِأَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ الشِّعْرَ۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل کا حکم دیا اس لئے کہ وہ ان کے ذریعے آپ کی برائی بیان کرتا تھا۔"

وَيَأْمُرُهُمَا أَنْ تُغَنِّيَا بِهٖ

"اور اپنی دونوں لونڈیوں کو آپ کی ہجو میں شعر گانے کا حکم کرتا۔"

اس گستاخی پر انہیں قتل کرنے کا حکم دے کر ظاہر فرما دیا کہ اہانتِ رسول کی سزا ہے، سزائے موت ہی ہے ورنہ امن عام کے اعلانِ عام کے باوجود قتل کرنے کا دوسرا سبب کوئی نہ تھا۔

بزار کی روایت ہے: أَنَّ عُقْبَةَ بْنَ أَبِي مُعَيْطٍ نَادٰى يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ مَالِيْ أُقْتَلُ مِنْ بَيْنِكُمْ صَبْرًا؟ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكُفْرِكَ وَافْتِرَائِكَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ۔

"عقبہ بن ابی معیط نے قریشیوں کو پکارا کہ میرا کیا گناہ ہے کہ میں تمہارے درمیان خاموشی سے قتل کیا جاؤں؟ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا کہ تیرے کفر اور تیری بہتان تراشی کے سبب جو تو اللہ کے رسول پر کرتا تھا یہی سبب ہے کہ تجھے امن و آزادی کی بجائے قتل کیا جا رہا ہے۔"

اسی بزار کی روایت میں ہے:-

كَذَبَ عَلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَبَعَثَ عَلِيًّا وَالزُّبَيْرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا لِيَقْتُلَاهُ۔

"ایک شخص نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جھوٹ باندھا تو آپ نے حضرتِ علی اور زبیر رضی اللہ عنہما کو بھیجا کہ اسے قتل کر دیں۔"

وَهَجَتْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةٌ فَقَالَ مَنْ لِيْ لَهَا؟ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهَا أَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَتَلَهَا۔

"ایک عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برائی بیان کی، (اذیت پہنچائی) تو آپ نے فرمایا کہ میرے لئے اس عورت سے (بدلہ لینے والا) کون ہے؟ تو اس عورت کی قوم سے ایک آدمی نے کہا میں حاضر ہوں اے اللہ کے رسول! تو پھر اس نے اس عورت کو قتل کر دیا۔"

الاعلام کی نقل کی ہوئی عبارت ملاحظہ ہو :

قالوا فقد ثبت ان صلى الله عليه وسلم امر بقتل من اذاه او تنقصه او الحق له وهو مخير فيه فاختار قتل بعضهم والعفو عن بعضهم وبعد وفاته تعذر تمييز المعفو عنه من غيره فبقي الحكم على عمومه في القتل لعدم الاطلاع على العفو وليس لامته بعده ان يسقطوا حقه لانه لم يرد عنه الاذن الا في ذلك.

"ان علماء نے کہا کہ بے شک یہ بات ثابت ہو چکی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے قتل کا حکم دیا جس نے آپ کو اذیت پہنچائی یا آپ کی شان گھٹائی یا آپ سے الحاق کیا اور آپ کو اختیار حاصل تھا اس معاملہ میں تو آپ نے بعض کے لئے قتل اور بعض کے لئے معافی پسند فرما دی اور آپ کے وصال کے بعد یہ امتیاز مشکل ہو گیا کہ کس کے لئے عفو ہو کس کے لئے نہ ہو تو حکم اپنے عموم پر باقی رہ گیا، قتل کے معاملہ میں اس لئے کہ معافی پر اطلاع نہیں ہے اور امت کے لئے آپ کے بعد یہ حق حاصل نہیں کہ وہ آپ کے حق کو ساقط کر دیں اس لئے کہ آپ سے اس معاملہ میں اجازت نہیں آئی مگر اس (قتل) میں"۔

سابقہ احادیث میں سے علماء کرام نے یہ فیصلہ ثابت کر دیا کہ جس کسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کی اور تنقیص شان کی تو اس کی سزا سزائے موت ہے اور یہ حکم قتل امت کے لئے ثابت و قابل عمل رہے گا۔

رہا یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کو معاف فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے اور صاحب حق کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنا حق معاف کر دے اب کون قابل معافی ہے اور کون نہیں ہے تو یہ امتیاز آپ کو حاصل تھا آپ کے بعد امت کے پاس

اس امتیاز پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے لہٰذا گستاخ مرتد کی سزا سزائے موت ہے۔

الخامس :

باجماع الامة على قتل متنقصه من المسلمين وسابه ومن حكى الاجماع على ذلك ابن المنذر والخطابي وغيرهما كمحمد بن سحنون وعبارته :

اجمع العلماء على شاتمه المتنقص له وجريان الوعيد عليه وحكمه عند الائمة القتل فمن شك في كفره وعذابه كفر انتهى۔

"پانچویں دلیل اجماع امت ہے، آپ کی تنقیص شان کرنے والے اور آپ کو گالیاں دینے والے مسلمان کے قتل پر اور جس نے اسی پر اجماع کو بیان کیا ہے ابن منذر، خطابی اور ان کے علاوہ بھی ہیں جیسے محمد بن سحنون ہیں، ان کی عبارت یہ ہے : علماء نے اجماع کیا ہے آپ کی تنقیص کرنے والے شاتم کے کفر پر اور اس پر وعید کے جاری ہونے پر اور اس کا حکم ائمہ کے نزدیک قتل ہے پس جس نے اس کے کفر اور عذاب میں شک کیا، کافر ہو گیا"۔

اور یہ اجماع قتل شاتم پر اس حدیث سے بھی ثابت ہے :

من بدل دينه فاقتلوه

"جس نے اپنا دین بدل لیا اسے قتل کر دو"

اور جو توہین و تنقیص کر کے دین سے نکل گیا تو وہ صرف مرتد عام کی طرح نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ سخت مرتد ہوتا ہے۔ عام مرتد کے لئے تو توبہ کرانے کا حکم ہے، اگر مہلت مانگے تو تین دن کا وقفہ دیا جائے گا، اگر اسلام لے آیا تو اسے چھوڑ دیا جائے گا اور اگر ارتداد پر اصرار کرتا رہا تو اس کو قتل کیا جائے گا اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے لیکن قتل مرتد و گستاخ پر

فقہاءِ کرام کا اجماع ہے، فرماتے ہیں کہ شاتمِ رسول کے لئے توبہ کرانے کی گنجائش نہیں ہے
جیسے فقہاءِ حنفیہ کی عبارات نقل ہو چکی ہیں اور اس کی توبہ اس کی سزائے قتل کو معاف نہیں
کراسکتی ہے صرف اتنا ہے کہ قیامت میں اس کی توبہ اسے ہمیشہ کے عذابِ جہنم سے
بچالے گی اگر اللہ اس کی توبہ قبول کرلے۔ حدود جاری ہوتی ہیں اور جاری رہیں گی، معافی دینا
امت کا حق نہیں ہے، امت تو مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ کے ظاہر پر
عمل کرے گی۔

مجھے بہت بڑا تعجب ہے کہ ایک عام انسان کے عمداً قتلِ ناحق پر تو قصاص واجب ہو
اور ایسے ہی باغی وغیرہ قسم کے لوگوں کی ایسی توبہ قبول نہیں ہوتی ہے جو ان کے قتل کو معاف کرادے
اور ایسے ہی محصن ومحصنہ کا زنا سے توبہ کرنا رجم کو معاف نہیں کرسکتا ہے اور سارق سارقہ
چور مرد یا عورت کی توبہ قطعِ ید کی سزا معاف نہیں کراسکتی ہے، ایسے ہی شراب نوشی کی سزا کو
توبہ معاف نہیں کراسکتی ہے اور نبی کی توہین وگستاخی کو کتنا آسان جرم سمجھ لیا گیا ہے کہ
جس نبی کے ذریعے سارا دین ملا اور جن کی وجہ سے بے شمار نعمتیں ہر مسلمان اور کافر کو
بالواسطہ یا بلا واسطہ مل چکی ہیں، ان کی اہانت وتنقیص اور سب وشتم جیسے بدترین جرم جو عالمی
امن کو خطرے میں ڈال دینے والا ہے اس کی سزائے موت کو معاف کرنے کے لئے
صرف اتنا کہہ دینا کافی ہوجاتا ہے کہ زبان سے ایک بار توبہ کردے، بس اس کی گستاخیاں
ساری خرابیاں، بداخلاقیاں یکسر ختم ہوجاتی ہیں اور عالمِ اسلام کے خالص مذہبی وایمانی جذبات
کو شدید مجروح کرکے بیک کلمۂ توبہ پاک وصاف ہوکر جان ومال بچالیتا ہے، یہ کتنا عظیم ظلم ہے
اس طرح کرنے سے بے ادب گستاخوں کو راہ مل جاتی ہے کہ گستاخیاں بولے، لکھے، پھیلائے
گرفت وتنقید کے وقت بس اتنا کہہ دے کہ (میری توبہ ہے) بس بچ گیا۔

اہانت وتنقیصِ رسول کے اس جرم پر عالمی امن کے برباد ہوجانے کا خطرہ ہوتا ہے
اور ایسے گستاخ ومرتد سلمان رشدی کہ جو اپنی گستاخی پر اصرار کررہا ہے اُسے توبہ کرنے کی ضرورت نہیں

کیونکہ اس کی حفاظت پوری عیسائیت ویہودیت کررہی ہے تو اسے توبہ سے کیا غرض ہے
اور اس کی کتاب سٹنک ورسز پر پابندی کون لگوائے جبکہ آزادیٔ رائے کا برطانوی
قانون اس کی حمایت کررہا ہے (نعوذ باللہ من ذٰلک) اگر مرتد کی سزا سزائے موت
کو توبہ کے بعد کالعدم قرار دیا جائے تو پھر اس جرمِ ارتداد کے راستے بند نہ ہوسکیں گے۔

ہماری نقل کردہ پہلی دلیل جس سے ثابت ہورہا ہے کہ عذابِ مُہین، اہانت و
ذلت والا عذاب جرمِ عظیم کے ارتکاب پر قتل کے معنے میں ہوتا ہے، جرم بڑا ہوا اور اس کی
سزا صرف کلمہ پڑھنے سے سزا و حد سے جان بچالینا قرینِ قیاس و انصاف نہیں ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ
فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝

" بے شک جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دی ان پر
اللہ نے دنیا وآخرت میں لعنت کردی ہے اور ان کے لئے ذلت والا
عذاب تیار کیا ہے۔"

عذابِ مہین اور دنیا میں لعنت سے مراد قتل ہے کیونکہ اذیتِ رسول
اور شتمِ رسول جرمِ عظیم ہے اور بڑے جرم کی سزا بھی بڑی ہونی چاہئے جو کہ قتل ہے۔
اور دوسری دلیل یہ ہے:

قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝
لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ

" فرما دیجئے کیا تم اللہ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے
رسول کے ساتھ مذاق کررہے تھے، تم نے کفر کرلیا ایمان کے بعد۔"

اس سے ظاہر ہے کہ اللہ اور نبی کے ساتھ مذاق کرنا کفر وارتداد اور اہانت ہے،
اس کی سزا سزائے موت ہے اور اس کی تفسیر اس آیت میں ہے:-

أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا

" انہیں پکڑا جائے اور خوب قتل کئے جائیں۔"

یہ شتم و مذاق و اہانت و تنقیص کی صورت میں سزائے قتل ہے اور مَنْ بَدَّلَ دِیْنَہٗ فَاقْتُلُوْہُ
سے بھی اہانت کی صورت میں ارتداد مراد ہے۔

قرآن وحدیث سے اذیّت کی تفسیر ہوتی ہے کہ اذیت و اہانت کی صورت میں شاتمِ
رسول کی توبہ کو آخرت پر چھوڑا جائے اور دنیا میں لعنت اور عذابِ مہین سے مراد قتل کی
سزا دی جائے۔

علامہ ابن حجر ان دونوں آیتوں سے ایسا کفر مراد لیتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم
کو اذیّت دینے والا ہو۔ اس میں ہمارا ابھی اختلاف نہیں کیونکہ ان آیتوں میں ایذاء دینے والا
کفر بیان کیا گیا ہے لیکن ایذاء کی سزا دنیا و آخرت کی لعنت اور ذلت والا عذاب ہے اور یہ لفظی
سزا نہیں ہے بلکہ معنوی سزا مراد ہے جو کہ قتل سے پوری ہو سکتی ہے۔

نیز ان کا یہ کہنا کہ توبہ اور اسلام لانے کے بعد قتل کرنا ان آیتوں سے ثابت نہیں،
اس لئے درست نہیں کہ لعنت اور عذابِ مہین سے قتل مراد ہے اور دوسری آیتوں اور احادیث
سے اس کی تفسیر مراد ہے۔

تیسری اور چوتھی دلیل کے بارے میں یہ کہہ دینا کہ ان میں ان لوگوں کے کفر کے
علاوہ عناد کا بھی ذکر ہے اور بس اور اس کی تائید حدیث سے لاتے ہیں کہ:

قَدْ اَخْبَرَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ لَا عِصْمَۃَ لِاَحَدٍ بَعْدَ
دَعْوَۃٍ اِلَی الْاِسْلَامِ اِلَّا بِالْاِسْلَامِ۔

" آپ نے فرمایا کہ کسی کے لئے عصمت کا حق حاصل نہیں دعوائے اسلام کے بعد
مگر صرف اسلام کے ذریعے۔"

فَکُلٌّ مِنَ الْمَذْکُوْرِیْنَ مُہْدَرُ الدَّمِ لِاَنَّہٗ دُعِیَ اِلَی الْاِسْلَامِ

وَلَمْ یُسْلِمْ فَقَتْلُہٗ لِذٰلِکَ لَا لِمُجَرَّدِ سَبِّہٖ لِلنَّبِیِّ صَلَّی
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

" یہ مذکور گستاخ مباح الدم ہیں اس لئے کہ انہیں اسلام کی طرف دعوت
دی گئی ہے اور وہ اسلام نہ لائے تو ان کا قتل اسلام نہ لانے کی وجہ سے تھا نہ صرف
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے کے سبب۔"

یہ عجیب منطق ہے کہ صرف اسلام نہ ماننے سے ایک شخص مباح الدم تو ہو جاتا ہے
اور اگر بانیِ اسلام کو گالیاں دے تو وہ مباح الدم نہ ہو حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار سارے
اسلام کا انکار ہو جاتا ہے اس لئے کہ اسلام نبی علیہ السلام نے امت کو عطا کیا ہے، گالیاں
اور اہانت و تنقیص تو انکار سے بھی بدتر ارتداد ہے نیز قرآن نے تعظیم و توقیر کا حکم بیان کیا اور
بے ادبی پر اعمال کا ضائع ہو جانا بتایا اور ایذاء پر قتل کا حکم دیا اور صحابہ کرام نے نبی علیہ السلام
کی اہانت پر قتل کرنے کا عملی مظاہرہ کیا ہے۔

اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرتِ زبیر رضی اللہ عنہ کو جس شخص کے
قتل کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا وہ صرف تکذیبِ نبی کے جرم کی سزا دینا مقصود تھا یعنی تکذیب و
کذب کی وجہ سے تھا جو کذب فتنہ و فساد پھیلانے کا باعث بنتا تھا اہلِ ایمان کے درمیان،
تو اس کا حکم محاربت کا تھا:

فَیَکُوْنُ بِہٖ قَدْ حَارَبَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَسَعٰی فِی الْاَرْضِ
بِالْفَسَادِ فَتَحَتَّمَ قَتْلُہٗ لَا لِمُطْلَقِ الْکَذِبِ۔

" تو تکذیب کرنے والے کا کذب اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محاربت
اور زمین میں پھیلانے کی سعی و کوشش کے حکم میں ہو گیا تو اس کا قتل کرنا ضروری
ہو گیا تھا نہ کہ مطلق کذب کی وجہ سے قتل کیا گیا تھا۔"

ہم عرض کریں گے کہ جس تکذیبِ نبی کے باعث محاربت اور فساد کا اندیشہ قتل کو

واجب کرتا ہے تو جب نبی علیہ السلام کو سب و شتم، اہانت و تنقیص سے تکذیب اور تکذیب کے نتیجہ میں محاربت و فساد فی الارض کا پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے بدلہ میں قتل کرنا تو زیادہ تر ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ مطلق کذب و فتنہ سے وہ کذب و فتنہ زیادہ بدتر ہو جاتا ہے جب اس کے ساتھ اہانت و تنقیص نبوی شامل ہو جاتی ہے جیسے سلمان رشدی کی شیطانی آیات نے عالم اسلام کو الگ اور عالم کفر اور عیسائیت کو بالمقابل کر دیا ہے اور تیسری عالمی جنگ کا برطانیہ کے عوام باشعور میں غالب امکان محسوس کیا جا رہا ہے۔

یہ اپریل ۱۹۸۹ء تک کا احساس و انتباہ ہے اور جس عورت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو و عیب و نقص بیان کی تھی اسے قتل کرنا کفر اور ہجو کے ذریعے ایذار کے باعث تھا تو ظاہر ہے کہ نفس کفر اگر اصلی ہو تو محاربت کی شکل میں قتل کرنا ضروری ہو جاتا ہے اور محاربت اس کے ساتھ نہ ہو تو پھر قتل ضروری نہیں ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص اسلام کے بعد دین کی کسی ضروری بات کا بڑا انکار کرے تو وہ مرتد ہو جاتا ہے، اس کے لئے توبہ ضروری ہے ورنہ پھر قتل کرنا واجب ہو جاتا ہے اور جس شخص نے دین کی ضروری بات کا انکار بطور اہانت و تنقیص کیا اور ساتھ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی و توہین کر دی یا صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت و تنقیص شان کر دی تو ایسا شخص کافر بھی بن گیا، مرتد بھی ہوا اور شاتم رسول بھی ہو گیا اور شاتم رسول بدترین مرتد ہوتا ہے اسے بطور حد قتل کرنا ضروری ہوتا ہے، شاتم و متنقص و ساب ہونا ہی کفر و ارتداد اور فتنہ وسعی کا باعث ہوتا ہے۔

اب دوسرے فقہاء کرام حنفیہ وغیرہا رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال ملاحظہ فرمائیں :-

امام فقیہ النفس فتاویٰ قاضیخاں یہ فرماتے ہیں :-

مَنْ قَالَ دَعْنِيْ اُصِيْرُ كَافِرًا كَفَرَ

"جس نے کہا مجھے چھوڑ دے کہ کافر ہو جاؤں تو کافر ہو جائے گا"

شرح فقہ اکبر میں ہے :-

مَنْ عَزَمَ عَلَى الْكُفْرِ وَلَوْ بَعْدَ مِائَةِ سَنَةٍ يَكْفُرُ فِي الْحَالِ۔

"جس نے پختہ ارادہ کیا کفر پر گو سو سال کے بعد کرے، ابھی سے کافر ہو جائے گا"

فتاویٰ خانیہ میں ہے :

مَنْ قَالَ كِدْتُ اَنْ اَكْفُرَ كَفَرَ اَوْ قَالَ دَعْنِيْ فَقَدْ كَفَرْتُ كَفَرَ اَيْ بِظَاهِرِ كَلَامِهٖ وَاِنِ احْتَمَلَ اَنْ اَرَادَ قَارَبْتُ الْكُفْرَ۔

"جس نے کہا قریب ہے کہ میں کفر کروں تو کافر ہو گیا یا کہا مجھے چھوڑ دے میں نے کفر کیا، کافر ہو گیا یعنی اپنے ظاہر کلام کے ساتھ گو کہ اس کا یہ کلام احتمال رکھتا ہے کہ اس کا ارادہ یہ ہو کہ میں کفر کے قریب ہوا"

مجمع الانہر کی یہ عبارت بھی ملاحظہ ہو :-

مَنْ اَضْمَرَ الْكُفْرَ اَوْ هَمَّ بِهٖ فَهُوَ كَافِرٌ وَمَنْ كَفَرَ بِلِسَانِهٖ طَائِعًا وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ فَهُوَ كَافِرٌ وَلَا يَنْفَعُهٗ مَا فِيْ قَلْبِهٖ لِاَنَّ الْكَافِرَ يُعْرَفُ بِمَا يَنْطِقُ بِهٖ بِالْكُفْرِ فَاِذَا نَطَقَ بِالْكُفْرِ كَانَ كَافِرًا عِنْدَنَا وَعِنْدَ اللّٰهِ۔

"جس نے کفر دل میں چھپایا یا اس کا ارادہ کیا تو وہ کافر ہے اور جو اپنی زبان کے ساتھ کفر خوشی کی حالت میں کہہ گیا اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے پھر بھی کافر ہے اور جو اس کے دل میں ہے وہ اسے نفع نہیں دے گا اس لئے کہ کافر جانتا ہے کہ وہ جو بولتا ہے کفر ہے، جب اس نے کفر بول دیا تو کافر ہو گیا

اسی طرح کی ایک عبارت ہے :-

اِنَّ الْاِیْمَانَ التَّصْدِیْقُ وَھُوَ مُنْتَفٍ مَعَ الْعَزْمِ۔

"بے شک ایمان ایک تصدیق ہے اور وہ کفر پر عزم کرنے کے منافی ہے۔"

یہ بات ظاہر ہے کہ فیصلہ ظاہر کلام پر ہوتا ہے اور جس کے ظاہر کلام سے کفر واضح ہوتا ہو اس پر کفر کا حکم لگ جائے گا۔

شیخ زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم حنفی اپنی کتاب الاشباہ والنظائر کتاب السیر باب الردۃ ص ۱۸۹ میں فرماتے ہیں :

لَا تَصِحُّ رِدَّۃُ السَّکْرَانِ اِلَّا الرِّدَّۃَ بِسَبِّ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنَّہٗ یُقْتَلُ وَلَا یُعْفٰی عَنْہُ کَذَا فِی الْبَزَّازِیَّۃِ۔

"نشے والے کی ردّت صحیح نہیں مگر جو ردّت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے کے سبب سے واقع ہو تو اسے قتل کیا جائے گا اور اس سے درگزر نہیں کی جائے گی۔"

معلوم ہوا کہ سابّ و شاتمِ رسول کسی وجہ سے نہیں چھوڑا جائے گا۔ عام مرتد اور شاتمِ رسول کے بارے میں لکھتے ہیں :-

کُلُّ کَافِرٍ تَابَ فَتَوْبَتُہٗ مَقْبُوْلَۃٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اِلَّا جَمَاعَۃَ الْکَافِرِ بِسَبِّ نَبِیٍّ وَبِسَبِّ الشَّیْخَیْنِ اَوْ اَحَدِھِمَا وَبِالسِّحْرِ وَلَوِ امْرَأَۃً وَبِالزَّنْدَقَۃِ اِذَا اُخِذَ قَبْلَ تَوْبَتِہٖ۔

"ہر کافر جس نے توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول ہے دنیا اور آخرت میں مگر ایک جماعت جو نبی (علیہ السلام) اور شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) یا دونوں میں ایک کو گالیاں دینے کے سبب کافر ہو گیا ہو یا جادوگر گو عورت ہو اور زندقہ کی وجہ سے کافر ہو گیا ہو توبہ کرنے سے پہلے پکڑے جائیں تو قتل کئے جائیں گے۔"

وَکُلُّ مُسْلِمٍ اِرْتَدَّ فَاِنَّہٗ یُقْتَلُ اِنْ لَّمْ یَتُبْ۔

"ہر وہ مسلمان جو مرتد ہوا تو بے شک وہ قتل کیا جائے گا اگر توبہ نہ کی۔"

یہ عام مرتد کی سزا اور شرطِ توبہ کا بیان ہے اور پہلے بیان کر دیا کہ جو ارتداد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے سے واقع ہو گا اس کی سزا سزائے موت ہے۔

مزید فرمایا :-

وَالْمُرْتَدُّ اَقْبَحُ کُفْرًا مِّنَ الْکَافِرِ الْاَصْلِیِّ۔

"اور مرتد اصلی کافر سے بدتر کافر ہے۔"

اسی میں یہ عبارت ملاحظہ ہو :-

اَلْاِیْمَانُ تَصْدِیْقُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ جَمِیْعِ مَا جَاءَ بِہٖ مِنَ الدِّیْنِ ضَرُوْرَۃً وَالْکُفْرُ تَکْذِیْبُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ شَیْءٍ مِّمَّا جَاءَ بِہٖ مِنَ الدِّیْنِ ضَرُوْرَۃً۔

"ایمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا ہے دین کی تمام ان چیزوں میں جو ضروری ہوں اور کفر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنا ہے دین کی کسی ضروری امر میں۔"

وَلَوْ تَابَ مِنْ حَبْطِ الْاَعْمَالِ وَبُطْلَانِ الْوَقْفِ وَبَیْنُوْنَۃِ الزَّوْجَۃِ وَقَوْلُہٗ لَا یَتَعَرَّضُ لَہٗ اِنَّمَا ھُوَ فِیْ مُرْتَدٍّ تُقْبَلُ فِی الدُّنْیَا وَاَمَّا مَنْ لَّا تُقْبَلُ تَوْبَتُہٗ فَاِنَّہٗ یُقْتَلُ کَالرِّدَّۃِ بِسَبِّ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالشَّیْخَیْنِ کَمَا قَدَّمْنَاہُ۔

"توبہ کے بعد مرتد کا پیچھا نہ کیا جانا اس مرتد کے بارے میں ہے جس کی توبہ دنیا میں قبول ہوتی ہے رہا وہ مرتد جس کی توبہ قبول نہ کی جائے تو بے شک وہ

قتل کیا جائے گا جیسے وہ ردّت جو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور شیخین کو گالیاں دینے سے واقع ہوا۔ (الاشباہ والنظائر ص ۱۹۰)۔

معلوم ہوا کہ شاتمِ رسول کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ عند اللہ اس کی توبہ قبول ہو گی اور اسے قیامت میں کام آسکتی ہے لیکن دنیا میں وہ قابلِ معافی نہیں۔

بحر الرائق شرح کنز الدقائق باب احکام المرتدین میں علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی فرماتے ہیں:۔

وَاَجْمَعُوْا عَلٰی اَنَّ مَنْ شَكَّ فِیْ اِیْمَانِہٖ فَهُوَ كَافِرٌ۔

" اور فقہاء نے اجماع کیا اس بات پر کہ جس کسی نے اپنے ایمان میں شک کیا تو وہ کفر کرنے والا ہے۔"

وَفِی الْجَامِعِ الصَّغِیْرِ اِذَا اَطْلَقَ الرَّجُلُ كَلِمَةَ الْكُفْرِ عَمَدًا لٰكِنْ لَمْ یَعْتَقِدِ الْكُفْرَ قَالَ بَعْضُ اَصْحَابِنَا لَا یَكْفُرُ لِاَنَّ الْكُفْرَ یَتَعَلَّقُ بِالضَّمِیْرِ وَلَمْ یَعْقِدِ الضَّمِیْرَ عَلَی الْكُفْرِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ یَكْفُرُ وَهُوَ الصَّحِیْحُ عِنْدِیْ لِاَنَّهٗ اسْتَخَفَّ بِدِیْنِہٖ اھ

وَالْحَاصِلُ اَنَّ مَنْ تَكَلَّمَ بِكَلِمَةِ الْكُفْرِ هَازِلًا اَوْ لَاعِبًا كَفَرَ عِنْدَ الْكُلِّ وَلَا اعْتِبَارَ بِاعْتِقَادِہٖ كَمَا صَرَّحَ قَاضِیْخَانْ فِیْ فَتَاوَاہُ وَمَنْ تَكَلَّمَ بِهَا مُخْطِئًا اَوْ مُكْرَهًا لَا یَكْفُرُ عِنْدَ الْكُلِّ وَمَنْ تَكَلَّمَ بِهَا عَالِمًا عَامِدًا كَفَرَ عِنْدَ الْكُلِّ وَمَنْ تَكَلَّمَ بِهَا اخْتِیَارًا جَاهِلًا بِاَنَّهَا كُفْرٌ فَفِیْہِ اخْتِلَافٌ۔ (بحر الرائق)

" جامع صغیر میں ہے جب آدمی نے کلمۂ کفر بولا قصداً لیکن اس نے

کفر کا اعتقاد نہیں کیا تو ہمارے بعض احناف نے کہا ہے کہ وہ شخص کافر نہیں ہوا اس لئے کہ کفر کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور دل نے کفر پر عقد ہی نہیں کیا اور بعض فقہاء نے فرمایا کافر ہو جاتا ہے اور وہی صحیح ہے میرے نزدیک کیونکہ اس نے اپنے دین کو ہلکا کر دیا (یعنی بے ادبی کی) اور خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جس نے کلمۂ کفر ہنسی کرتے ہوئے یا کھیل کے طور پر بولا تو وہ کافر ہو گیا سب کے نزدیک اور اس کے اعتقاد کا کوئی اعتبار نہیں جس طرح اس کی صراحت قاضیخان نے اپنے فتاویٰ میں کی ہے اور جس نے کلمۂ کفر غلطی یا مجبوری سے بولا، سب کے نزدیک کافر نہ ہوگا اور جس نے کلمۂ کفر جانتے ہوئے قصداً بولا تو سب کے نزدیک کافر ہے اور جس نے کلمۂ کفر اپنی مرضی سے بولا یہ نہ جانتے ہوئے کہ وہ کفر ہے تو اس (صورت) میں اختلاف ہے۔"

صاحب بحر الرائق ردّت کے بارے میں فرماتے ہیں، ردّت کا حکم یہ ہے کہ مرتد یا تو توبہ کر لے یا پھر قتل کر دیا جائے۔ اور کچھ مسائل ارتداد کے اس حکم سے خارج ہیں۔

وَیُسْتَثْنٰی مِنْهُ مَسَائِلُ:۔

۱۔ الاولیٰ: اَلْاُوْلَی الرِّدَّةُ بِسَبِّہٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ فَتْحِ الْقَدِیْرِ كُلُّ مَنْ اَبْغَضَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِقَلْبِہٖ كَانَ مُرْتَدًّا فَالسَّابُّ بِطَرِیْقٍ اَوْلٰی ثُمَّ یُقْتَلُ حَدًّا عِنْدَنَا فَلَا تُقْبَلُ تَوْبَتُهٗ فِیْ اِسْقَاطِہِ الْقَتْلَ قَالَ هٰذَا مَذْهَبُ اَهْلِ الْكُوْفَةِ وَمَالِكٍ وَنُقِلَ عَنْ اَبِیْ بَكْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

" اور اس حکم سے کچھ مسائل خارج ہیں :

پہلا مسئلہ : وہ ردّت جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے کے ذریعہ ہو،
فتح القدیر میں فرمایا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دل سے غضب و غصہ کیا
وہ مرتد ہو جاتا ہے تو گالیاں دینے والا زیادہ طور پر مرتد ہے پھر ہمارے
نزدیک بطور حد قتل کیا جائے گا، اس کی توبہ اس کے قتل کو ساقط کرنے میں
قبول نہیں کی جائے گی۔ یہی اہل کوفہ کا مذہب ہے اور امام مالک کا اور
حضرت ابو بکر صدیق سے یہی مذہب منقول ہے۔"

معلوم ہوا کہ شاتم رسول کی ایسی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی جس سے
اس کی سزائے موت بطور حد کے ساقط ہو جائے۔

صاحب بحر الرائق فرماتے ہیں :۔

وَالْحَقُّ اَنَّ الَّذِیْ یُقْتَلُ وَ لَا تُقْبَلُ تَوْبَتُہٗ هُوَ
الْمُنَافِقُ ۔

" اور حق یہ ہے کہ جس کو قتل کیا جائے اور اس کی قبول نہ کی جائے
وہ منافق ہے۔"

الثانیۃ : الرِّدَّۃُ بِسَبِّ الشَّیْخَیْنِ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا۔

" دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ شیخین ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالے عنہما کو گالیاں
دینا بھی قتل کو واجب کرتا ہے۔"

الثالثۃ : لَا تُقْبَلُ تَوْبَۃُ الزِّنْدِیْقِ فِیْ ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ
وَهُوَ مَنْ لَا یَتَدَیَّنُ بِدِیْنٍ۔

" اور تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ زندیق کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی ظاہر
مذہب میں اور زندیق وہ ہے جو کوئی دین نہ رکھتا ہو۔"

حضرت عبد اللہ بن محمود بن مودود الموصلی الحنفی نے اپنی مشہور کتاب الاختیار
لتعلیل المختار جو کلیہ اصول الدین جامعہ ازہر میں داخل نصاب ہے، میں ص۱۴۵ ج۴ پر
فرمایا ہے :۔

وَاِذَا ارْتَدَّ الْمُسْلِمُ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ یُحْبَسُ وَیُعْرَضُ
عَلَیْہِ الْاِسْلَامُ وَتُکْشَفُ شُبْهَتُہٗ فَاِنْ اَسْلَمَ وَ اِلَّا قُتِلَ۔

" اور مسلمان جب مرتد ہو جائے، اور اللہ کی پناہ (ارتداد سے) اسے
قید کیا جائے اور اس پر اسلام پیش کیا جائے اور اس کا شبہہ دور کیا جائے
اگر اسلام لایا (تو بہتر) ورنہ قتل کیا جائے گا۔"

اس کی شرح میں خود ہی فرماتے ہیں :۔

اَمَّا حَبْسُہٗ وَعَرْضُ الْاِسْلَامِ عَلَیْہِ لَیْسَ بِوَاجِبٍ لِاَنَّہٗ
بَلَغَتْہُ الدَّعْوَۃُ وَالْکَافِرُ اِذَا بَلَغَتْہُ الدَّعْوَۃُ لَا تَجِبُ اَنْ
تُعَادَ عَلَیْہِ فَهٰذَا اَوْلٰی لٰکِنْ یُسْتَحَبُّ ذٰلِکَ لِاَنَّ الظَّاهِرَ
اِنَّمَا ارْتَدَّ لِشُبْهَۃٍ دَخَلَتْ عَلَیْہِ اَوْ ضَیْمٍ اَصَابَہٗ فَیُکْشَفُ
ذٰلِکَ عَنْہُ لِیَعُوْدَ اِلَی الْاِسْلَامِ وَهُوَ اَهْوَنُ مِنَ الْقَتْلِ وَ
رُوِیَ مِثْلُ ذٰلِکَ عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ۔

" مگر مرتد کا بند کر دینا اور اس پر اسلام کو پیش کرنا واجب و ضروری نہیں ہے
اس لئے کہ اس کو دعوتِ اسلام پہنچ چکی ہے اور کافر کو جب دعوتِ اسلام
پہنچ چکی ہو پھر واجب و ضروری نہیں کہ اس کے سامنے اسلام پیش کیا جائے
یہ مسلم مرتد تو زیادہ بہتر حال ہے (کیونکہ مسلمانوں کو اسلام پہنچنے سے مسلمان
کہا جاتا ہے) لیکن اس پر پیش کرنا مستحب ہے کیونکہ ظاہر حال بتا رہا ہے
کہ وہ کسی شبہہ کی وجہ سے مرتد ہو گیا ہو گا یا گناہ و ظلم اس کو پہنچ گیا ہو گا تو اس سے

شبہ (شیطانی) کو دور کیا جائے گا تاکہ وہ اسلام کی طرف لوٹے اور یہ قتل سے
آسان ہے اور اس کی مثل حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔"

اس پر قرآنِ پاک سے دلیل بیان کرتے ہیں:۔

وَاَمَّا وُجُوْبُ قَتْلِہٖ فَلِقَوْلِہٖ تَعَالٰی تُقَاتِلُوْنَہُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ
وَالْمُرَادُ اَہْلُ الرِّدَّۃِ نَقْلًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّجَمَاعَۃٍ مِّنَ الْمُفَسِّرِیْنَ
وَقَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ "مَنْ بَدَّلَ دِیْنَہٗ فَاقْتُلُوْہُ"۔

"اور مرتد کو قتل کرنے کا ضروری ہونا اللہ تعالیٰ کے فرمان کی وجہ سے
ہے قتل کرو ان کو (مرتدوں کو) یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئیں اور مراد
ان سے اہلِ ردّت ہیں یہی ابن عباس اور مفسرین کی جماعت سے نقل ہے
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے اپنا دین بدلا (یعنی چھوڑ دیا)
تو اس کو قتل کرو۔"

صاف معلوم ہوا کہ عام مرتد کی سزا اسزائے موت ہے اور اس سے توبہ کا
مطالبہ واجب نہیں کیونکہ اسے اسلام پہلے سے پہنچ چکا ہے ہاں اگر وہ از خود توبہ
کرلیتا ہے تو قبول کیا جائے گا۔ جس کافر کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے اس کے سامنے
اسلام پیش کرنا صرف مستحب ہے ضروری و واجب نہیں ہے تو مسلمان جب مرتد ہو جائے
تو اس کے سامنے اسلام پیش کرنا کسی طرح بھی ضروری نہیں ہے، اس کی کوئی رعایت
نہ کی جائے بلکہ اس کو قتل کیا جائے۔

مزید فرماتے ہیں:۔

(فَاِنْ قَتَلَہٗ قَاتِلٌ قَبْلَ الْعَرْضِ لَا شَیْءَ عَلَیْہِ)
لِاَنَّہٗ مُسْتَحِقٌّ لِّلْقَتْلِ بِالْکُفْرِ فَلَا ضَمَانَ عَلَیْہِ۔

"پس اگر مرتد کو کسی قاتل نے قتل کر دیا اسلام پیش کرنے سے پہلے تو

قاتل پر کچھ (سزا) نہیں۔"

اس طرح کا باحوالہ بیان پہلے بھی گذرا ہے۔ کسی مرتد کو قتل کرانے کے لئے
وقت کے قاضی و جج کے پاس پیش کرنا اور باقاعدہ مقدمہ چلانا بہتر ہے تاکہ پرامن قانونی
کارروائی کے راستہ کو عمل میں لایا جائے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے اس پر کوئی پابندی لازمی نہیں ٹھہرائی ہے اسی لئے صحابہ کرامؓ نے مقدمہ چلانے
کی زحمت نہیں اٹھائی تھی، فرمانِ الٰہی اور فرمانِ رسول پر عمل کرنا ہی بس اور کافی ہے لہٰذا
مسلم حکومت میں حکومت اسلامی اسٹیٹ کی ذمہ داری بھی ہے کہ وہ مرتد کو سزائے موت دے
اور اگر اسلامی اسٹیٹ اپنی ذمہ داری نہیں نبھا رہی ہے تو پھر مسلمان پبلک علمائے کرام
کے فتوے کو شرعی حکم سمجھ کر عملی اقدام کریں اور اگر غیر مسلم ملک ہو تو حالات کا جائزہ لے کر
مقدمہ بھی کرا سکتے ہیں اور اگر مرتد ہاتھ لگے تو اسے قتل بھی کر سکتے ہیں اور اس صورت میں
قاتل پر کوئی شرعی جرم عائد نہیں ہوگا کیونکہ قاتل نے اس شخص کو قتل کیا ہے جس کو
شریعت نے واجب القتل قرار دیا ہے تو گویا اس حال میں قاتل شرعی حکم کے نفاذ
میں معاون ثابت ہوا اور شرعی حکم میں قتلِ مرتد مقصود تھا۔

حکمِ مرتد

مرتد کے حکم کے بارے میں ابن رشد قرطبی (متوفی ۵۹۵ھ) اپنی کتاب بدایۃ المجتہد
ونہایۃ المقتصد میں فرماتے ہیں:۔

وَالْمُرْتَدُّ اِذَا ظُفِرَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یُّحَارِبَ فَاتَّفَقُوْا عَلٰی
اَنْ یُّقْتَلَ الرَّجُلُ لِقَوْلِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَنْ
بَدَّلَ دِیْنَہٗ فَاقْتُلُوْہُ وَاخْتَلَفُوْا فِیْ قَتْلِ الْمَرْاَۃِ ہَلْ
تُسْتَتَابُ قَبْلَ اَنْ تُقْتَلَ؟ فَقَالَ الْجُمْہُوْرُ تُقْتَلُ الْمَرْاَۃُ
وَقَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ لَا تُقْتَلُ شَبَّہَہَا بِالْکَافِرَۃِ الْاَصْلِیَّۃِ وَ

وَالْجُمْهُوْرُ اعْتَمَدُوْا الْعُمُوْمَ الْوَارِدَ فِيْ ذٰلِكَ۔

"اور مرتد پر جب اس کی محاربت سے پہلے ہی غلبہ پالیا گیا تو فقہاء نے اتفاق اس بات پر کیا کہ مرد (مرتد) کو قتل کیا جائے بوجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے کہ جس کسی نے اپنے دینِ اسلام کو بدل دیا (چھوڑ دیا) تو اسے قتل کردو۔

(مرتدہ) عورت کے قتل کرنے میں علماء نے اختلاف کیا ہے اور کہا مرتدہ عورت سے توبہ طلب کی جائے گی اس کے قتل کئے جانے سے قبل؟ تو جمہور نے کہا عورت مرتدہ قتل کی جائے گی اور ابوحنیفہ نے فرمایا کہ مرتدہ عورت قتل نہ کی جائے گی انہوں نے اس کو اصلی کافرہ عورت کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور جمہور نے اس عموم پر اعتماد کیا ہے جو اس حدیث میں ہے۔"

(بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۴۵۹)

معلوم ہوا کہ مرتد کے قتل پر فقہاء کا اتفاق ہے کیونکہ حدیث میں قتلِ مرتد کا عمومی حکم ہے اور مرتدہ کے قتل میں قتل سے پہلے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے یا کہ نہیں اس میں جمہور کے ہاں توبہ کا مطالبہ کرنے کے بغیر ہی اس کو قتل کیا جائے اور اس کی دلیل حدیث مذکور ہے جس میں بلا شرط قتل کرنے کا عام حکم موجود ہے۔

شمس الدین السرخسی اپنی کتاب مبسوط میں فرماتے ہیں:۔

اِذَا ارْتَدَّ الْمُسْلِمُ عُرِضَ عَلَيْهِ الْاِسْلَامُ فَاِنْ اَسْلَمَ وَاِلَّا قُتِلَ مَكَانَهٗ اِلَّا اَنْ يَّطْلُبَ اَنْ يُّؤَجَّلَ فَاِذَا طَلَبَ ذٰلِكَ اُجِّلَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَالْاَصْلُ فِيْ وُجُوْبِ قَتْلِ الْمُرْتَدِّيْنَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى اَوْ يُسْلِمُوْنَ قِيْلَ الْاٰيَةُ فِي الْمُرْتَدِّيْنَ وَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ وَقَتْلُ

الْمُرْتَدِّ عَلٰى رِدَّتِهٖ مَرْوِيٌّ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ وَمُعَاذٍ وَغَيْرِهِمْ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَهٰذَا لِاَنَّ الْمُرْتَدَّ بِمَنْزِلَةِ مُشْرِكِي الْعَرَبِ اَوْ اَغْلَظُ مِنْهُمْ جِنَايَةً فَاِنَّهُمْ قَرَابَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْقُرْاٰنُ نَزَلَ بِلُغَتِهِمْ وَلَمْ يُرَاعُوْا حَقَّ ذٰلِكَ حِيْنَ ارْتَدَّ فَكَمَا لَا يُقْبَلُ مِنْ مُشْرِكِي الْعَرَبِ اِلَّا السَّيْفُ اَوِ الْاِسْلَامُ فَلِذٰلِكَ مِنَ الْمُرْتَدِّيْنَ الْاٰيَةَ اِذَا طَلَبَ التَّاجِيْلَ اُجِّلَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ (الٰی) وَاِنْ لَمْ يَطْلُبِ التَّاجِيْلَ يُقْتَلُ مِنْ سَاعَتِهٖ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ الخ

"جب مسلمان مرتد ہو جائے تو اس کے سامنے اسلام پیش کیا جائے اگر اسلام لائے (تو بہتر) ورنہ اسی جگہ پر قتل کیا جائے۔ ہاں اگر مرتد مہلت مانگے تو اسے تین دن کی مہلت دی جائے اور دلیل اصلی مرتدوں کے قتل کرنے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے اَوْ يُسْلِمُوْنَ (یعنی مرتد اسلام لائیں ورنہ قتل کئے جائیں) کہا گیا کہ یہ آیت مرتدین کے بارے میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنا دین بدل دیا تو اس کو قتل کرو اور مرتد کا قتل اس کی رِدّت کی وجہ سے ہے، یہ حضرت علی، ابنِ مسعود اور معاذ وغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے اور یہ اس لئے کہ مرتد عرب کے مشرکوں کی طرح ہے یا ان سے بھی زیادہ سخت ہے جنایت کے اعتبار سے کیونکہ مشرکینِ عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت تھے اور قرآن ان کی زبان میں اترا حالانکہ انہوں نے اس کی حقِ رعایت ادا نہ کی جب وہ مرتد ہوئے تو جیسے مشرکینِ عرب سے کوئی سوائے قتل اور اسلام کے

کوئی چیز قبول نہیں کی جائے گی، ایسے ہی مرتدوں سے بھی سوائے اسلام یا قتل کے
کوئی دوسری چیز قبول نہیں کی جائے گی۔ اگر مرتد مہلت مانگے تو تین دن کی مہلت
دی جائے گی (یہاں تک کہ) اگر مہلت نہ مانگے تو اس کو اسی وقت قتل کیا جائے'
ظاہر روایت یہی ہے۔"

معلوم ہوا کہ مرتد کو اسلام کی طرف لوٹنا پڑے گا ورنہ اسے قتل کرنا پڑے گا
اور مرتد مشرکینِ عرب کے حکم میں برابر ہیں اور یہ عام مرتدوں کا حکم ہے اور شاتمِ رسول کا حکم
اس سے مستثنیٰ ہے اسے صرف قتل کرنا ہے جیسے مرتد مشرکینِ عرب سے زیادہ سخت ہوتا ہے
ایسے ہی شاتمِ رسول عام مرتد سے زیادہ اغلظ واشد ہوتا ہے۔

تین دن کی مہلت دینا صرف مستحب ہے اور یہ بھی اس مرتد کے لئے جو نیا نیا
اسلام لایا ہو، ہوسکتا ہے کہ اسے کوئی شبہ واقع ہوگیا ہو چنانچہ اس کے شبہ کو دور کرنے کی
کوشش کرنی ہوگی تاکہ وہ اسلام لے آئے۔

اب ہمارے زمانے میں دین کا حکم پختہ ہوچکا ہے اور حق ظاہر ہوچکا ہے
اس کے بعد بھی اگر کوئی شرک کرتا ہے تو یہ حسد و سرکشی کی وجہ سے کرتا ہو، ایسے مرتد کو
بلا توبہ قتل کرنا ہی ہوگا۔

وَاَمَّا فِیْ زَمَانِنَا فَقَدِ اسْتَقَرَّ حُکْمُ الدِّیْنِ وَتَبَیَّنَ الْحَقُّ
فَالْاِشْرَاکُ بَعْدَ ذٰلِکَ قَدْ یَکُوْنُ تَعَنُّتًا وَقَدْ یَکُوْنُ لِشُبْهَةٍ
دَخَلَتْ عَلَیْهِ وَعَلَامَةُ ذٰلِکَ طَلَبُ التَّاْجِیْلِ وَاِذَا لَمْ یَطْلُبْ
ذٰلِکَ فَالظَّاهِرُ اَنَّهٗ مُتَعَنِّتٌ فِیْ ذٰلِکَ فَلَا بَاْسَ بِقَتْلِهٖ۔

"بہرحال ہمارے اس زمانہ میں بے شک احکام دینِ اسلام مضبوط و ظاہر
ہوچکے ہیں اور حق واضح ہوگیا ہے، اس کے بعد شرک کرنا تکلیف دینے کی وجہ
سے ہوگا یا اس پر کسی شبہ کے پیش آنے کی وجہ سے ہوگا اور اس کی علامت یہ ہے کہ

(مرتد) مشرک مہلت مانگتا ہے اور اگر مہلت نہیں مانگتا تو ظاہر یہی ہے کہ وہ تکلیف و
اذیت پہنچاتا ہے اس معاملہ میں لہٰذا اس کے قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے"

مزید ارشاد ہے:-

وَکَانَ عَلِیٌّ وَعُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا یَقُوْلَانِ اِذَا ارْتَدَّ
رَابِعًا لَمْ تُقْبَلْ تَوْبَتُهٗ بَعْدَ ذٰلِکَ وَلٰکِنْ یُقْتَلُ عَلٰی کُلِّ
حَالٍ لِاَنَّهٗ ظَهَرَ اَنَّهٗ مُسْتَخِفٌّ مُسْتَهْزِئٌ وَلَیْسَ
بِتَائِبٍ۔

"اور حضرت علی اور عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں جب کوئی چوتھی بار
مرتد ہوجائے تو اس کی توبہ اس کے بعد قبول نہیں کی جائے گی اور ہر حال
میں قتل کیا جائے گا کیونکہ یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ دین کی خفت اور استہزاء
کرنے والا ہے اور توبہ کرنے والا نہیں ہے"

اس عبارت سے واضح ہوجاتا ہے کہ اگر عام مرتد چوتھی بار توبہ کرتا ہے تو وہ
قابلِ قبول اس لئے نہیں کہ ایسا مرتد شبہ کی وجہ سے ارتداد نہیں کررہا ہے بلکہ دین کا
استہزار کررہا ہے اور ایسے استہزار کی سزا قتل ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک بھی عام مرتد کے
حکم سے دین کا استہزار کرنے والا الگ اور مستثنیٰ ہے اور اس کی سزا صرف قتل ہی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بار بار مرتد ہونے والے کے
کے بارے کوشش کی جائے اور پھر بھی اس کی ردّت ظاہر ہوجائے گی تو اسے توبہ کرنے سے
پہلے ہی جلدی سے قتل کیا جائے کیونکہ ایسا کرنے والا دین سے استہزاء اور اس کا استخفاف
کرنے والا ہے۔ دینِ اسلام سے استہزار کرنے والے کی توبہ معتبر نہیں ہے بلکہ اسے
قتل کرنا ہی اس کی سزا ہے۔

قُتِلَ قَبْلَ اَنْ یُّسْتَتَابَ لِاَنَّہٗ قَدْ ظَھَرَ مِنْہُ الْاِسْتِخْفَافُ وَقَتْلُ الْکَافِرِ الَّذِیْ بَلَغَتْہُ الدَّعْوَۃُ قَبْلَ الْاِسْتِتَابَۃِ جَائِزٌ۔

"اور ایسے مرتد کو توبہ سے پہلے قتل کیا جائے اس لئے کہ اس سے استخفاف ظاہر ہو چکا ہے اور اس کافر کا قتل کر دینا جس کو دعوت پہنچ چکی ہو طلبِ توبہ سے پہلے، جائز ہے۔"

معلوم ہوا کہ عام مرتد جو بار بار ارتکابِ ارتداد کرتا ہے اس کا حکم شاتمِ رسول کے حکم میں ہے:۔

اَنَّ قَتْلَ الْمُرْتَدِّ عَلٰی رِدَّتِہٖ حَدٌّ۔

"اور مرتد کو قتل کر دینا اس کی ردّت کی وجہ سے بطور حد ہے۔"

(مبسوط ص ۱۱۸، احکام المرتدین)

فقہ حنفی کے معتبر فتاوٰے بزازیہ مؤلفہ امام حافظ الدین محمد بن محمد شہاب المعروف بابن البزاز الکردری الحنفی المتوفی ۸۲۷ھ میں ہے:

اِلَّا اِذَا سَبَّ الرَّسُوْلَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَوْ وَاحِدًا مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ فَاِنَّہٗ یُقْتَلُ حَدًّا وَلَا تَوْبَۃَ لَہٗ اَصْلًا سَوَاءٌ بَعْدَ الْقُدْرَۃِ عَلَیْہِ وَالشَّھَادَۃِ اَوْ جَاءَ تَائِبًا مِّنْ قِبَلِ نَفْسِہٖ کَالزِّنْدِیْقِ لِاَنَّہٗ حَدٌّ وَجَبَ فَلَا یَسْقُطُ بِالتَّوْبَۃِ کَسَائِرِ حُقُوْقِ الْاٰدَمِیِّیْنَ وَکَحَدِّ الْقَذْفِ لَا یَسْقُطُ بِالتَّوْبَۃِ بِخِلَافِ مَا اِذَا سَبَّ اللّٰہَ تَعَالٰی ثُمَّ تَابَ لِاَنَّہٗ حَقُّ اللّٰہِ تَعَالٰی۔

"مگر جب مرتد نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں یا کسی ایک نبی کو

انبیاء کرام علیہم السلام میں سے گالیاں دیں تو بے شک اس کو قتل کیا جائیگا بطور حد کے، اس کی کوئی توبہ اصلاً نہیں ہے چاہے اس پر قدرت وشہادۃ موجود ہوتے ہوئے یا وہ اپنے آپ توبہ کرلے جیسے زندیق ہے اس لئے کہ یہ قتل کی سزا حد ہے جو واجب ہو چکی ہے تو یہ حد توبہ سے ساقط نہ ہوگی جیسے باقی تمام انسانی حقوق ہیں اور جیسے حدِّ قذف توبہ کے ساتھ ساقط نہیں ہوتی ہے بخلاف اس کے کہ جب اللہ تعالےٰ کو گالیاں دے اور بعد میں توبہ کرلے، اس لئے کہ یہ اللہ تعالےٰ کا حق ہے۔"

مزید فرماتے ہیں:۔

قُلْنَا اِذَا شَتَمَہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ سَکْرَانَ لَا یُعْفٰی وَیُقْتَلُ اَیْضًا حَدًّا وَھٰذَا مَذْھَبُ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَالْاِمَامُ الْاَعْظَمُ وَالثَّوْرِیُّ وَاَھْلُ الْکُوْفَۃِ وَالْمَشْھُوْرُ مِنْ مَالِکٍ وَاَصْحَابِہٖ قَالَ الْخَطَّابِیُّ لَا اَعْلَمُ اَحَدًا مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ اخْتَلَفَ فِیْ وُجُوْبِ قَتْلِہٖ اِذَا کَانَ مُسْلِمًا وَقَالَ ابْنُ سُحْنُوْنِ الْمَالِکِیُّ اَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰی اَنَّ شَاتِمَہٗ کَافِرٌ وَحُکْمُہُ الْقَتْلُ وَمَنْ شَکَّ فِیْ عَذَابِہٖ وَکُفْرِہٖ کَفَرَ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْہِ مَلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا۔ الآیۃ

"ہم کہتے ہیں کہ جب کسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نشہ میں گالیاں دیں تو اسے معاف نہیں کیا جائے اور یہی مذہب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور امام اعظم اور امام ثوری اور اہل کوفہ فقہاء کا ہے (رحمہم اللہ تعالےٰ) اور یہی امام مالک اور آپ کے ساتھیوں کے مذہب سے مشہور ہے اور

خطابی نے کہا ہے کہ میں نہیں جانتا کسی ایک مسلمان کو کہ جس نے اس کے وجوبِ قتل میں اختلاف کیا ہو جبکہ گالیاں دینے والا مسلمان ہو اور ابن سحنون مالکی نے فرمایا علماء نے اجماع کیا ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے والا کافر ہے اور اس کا حکم قتل ہے اور جو اس کے عذاب وکفر (ارتداد) میں شک کرے وہ (بھی) کافر ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ایسے (مرتد) کافر کے بارے میں فرمایا ملعون ہیں، جہاں کہیں ملیں پکڑے جائیں اور چن چن کر قتل کئے جائیں "۔

گستاخ مرتد کے حکمِ قتل کے بارے میں بطورِ تائید ایک حدیث نقل کی ہے:۔

وَرُوِیَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُوْسٰی (الٰی) اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَبَّ نَبِیًّا فَاقْتُلُوْهُ وَمَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ فَاضْرِبُوْهُ وَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِ کَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ بِلَا اِیْذَانٍ وَکَانَ یُؤْذِیْ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَکَذَا اَمَرَ بِقَتْلِ رَافِعِ الْیَهُوْدِیِّ وَکَذَا اَمَرَ بِقَتْلِ ابْنِ خَطَلٍ لِهٰذَا وَاِنْ کَانَ مُتَعَلِّقًا بِاَسْتَارِ الْکَعْبَةِ وَدَلَائِلُ الْمَسْئَلَةِ تُعْرَفُ فِیْ کِتَابِ الصَّارِمِ الْمَسْلُوْلِ عَلٰی شَاتِمِ الرَّسُوْلِ۔

" اور روایت کی گئی ہے عبد اللہ بن موسےٰ سے (یہاں تک) کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی نبی کو گالیاں دیں تو اس کو قتل کردو اور جس نے میرے اصحاب کو گالیاں دیں تو اسے مارو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کعب بن اشرف کے قتل کرنے کا بغیر پناہ دینے کے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیتا رہا اور ایسے ہی حکم دیا رافع یہودی کو قتل کرنے کا اور ابن خطل کو قتل کر دینے کا بھی حکم دیا اسی اذیت دینے کی وجہ سے

گو کہ وہ کعبہ کے (غلافِ کعبہ) پردوں کے ساتھ لٹکا تھا اور اس مسئلہ (شاتمِ رسول) کے دلائل الصارم المسلول میں معروف ہیں "۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ آیۂ کریمہ اور احادیثِ مبارکہ سے واضح ثبوت مل گیا کہ شاتمِ رسول اور موذیٔ رسول صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی سزا صرف قتل ہی ہے جس پر فقہِ حنفی کی شہادت موجود ہے۔

مکالمہ میں کفریہ کلمات بولنے کا حکم

سوال : جلسوں میں مکالمے کئے جاتے ہیں، دو بچوں میں سے ایک بچہ خود کو کافر ظاہر کرتا ہے، لباس بھی ایسا ہی پہنتا ہے (ہیٹ، شرٹ وغیرہ) البتہ عقیدہ ایسا نہیں ہوتا، اجلاس میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے یا تعلیم کی غرض سے ایسا کیا جاتا ہے۔ کافر بننے والا لڑکا کہتا ہے کہ میں خدا کا منکر ہوں، خدا کا اقرار حماقت ہے، وغیرہ وغیرہ کفریہ کلمات کہتا ہے۔ جواب دینے والا بچہ اس کو "اے کافر بچے" اور "مردود" وغیرہ کہتا ہے تو ایسے مکالمہ میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

جواب : ضرورۃً کسی منکرِ خدا اور مخالفِ اسلام کا کفریہ کلمہ اور عقیدہ نقل کیا جاسکتا ہے، کہ فلاں یوں کہتا ہے اور فلاں کا عقیدہ یہ ہے اور حکم بیان کرنے کی غرض سے کہا جاسکتا ہے کہ یوں کہنا کفر ہے اور یوں کہنا کفر نہیں ہے۔ اسی طرح حالتِ اکراہ اور سخت ترین حالتِ خوف میں، دل میں ایمان پر قائم رہتے ہوئے صرف زبان سے کلماتِ کفر بولنے کی اجازت ہے۔

حق تعالےٰ فرماتا ہے:۔

مَنْ کَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِیْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُکْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ (نحل)

"جس نے اللہ کا انکار کیا ایمان لانے کے بعد مگر وہ جو مجبور کیا گیا حالانکہ اس کا دل ایمان کے ساتھ اطمینان والا ہے۔" اس کے علاوہ علی سبیل الاختیار ہنسی مذاق میں یا تعلیمی مقصد سے بے تحاشا زبان سے کلماتِ کفریہ بولنا اور محض ڈھونگ کے لئے کافرانہ اور فاسقانہ لباس پہننا خود کو غیر مسلم بتلانا جیسا کہ سوال میں مذکور، اگرچہ عقیدہ ایسا نہ ہو، ناجائز اور حرام ہے۔ بعض صورتوں میں اندیشۂ کفر بھی ہے۔

مالابدّمنہ میں ہے:

اگر کسے کلمۂ کفر عمداً گفت لیکن اعتقاد بکفر نہ کرد بعضے علماء گفتہ اند کہ کافر نشود کہ کفر از اعتقاد تعلق دارد و بعضے گفت لیکن اعتقاد بکفر نہ کرد بعضے علماء گفتہ اند کہ کافر شود کہ رضا است بکفر (ص ۴۵)

اور مجموعۂ فتاویٰ میں ہے:

کلمۂ کفر بولنا عمداً اگرچہ اعتقاد اس پر نہ ہو کفر ہے۔ (ج ۲ ص ۳۶)

مولانا رشید احمد گنگوہی سے پوچھا گیا کہ:

"حضرت ہمارا عقیدہ فلسفی مسائل پر نہیں ہے صرف زبان ہی سے ان کو پڑھتے پڑھاتے ہیں، اس میں کیا حرج ہے؟"

انہوں نے کہا:

"اول تو زبان سے کفر و شرک کا نکالنا اور ان کو دلائل سے ثابت کرنا اس کے اعتراضات کو دفع کرنا خود دلیل عقیدہ کی ہے اور اگر بالفرض عقیدہ نہ ہو تب بھی حرام اور موجبِ غضبِ خداوندی ہے، مثلاً کوئی شخص تم کو گدھا سوٗر کہے یا کوئی مغلظ گالی دے تو ظاہر ہے کہ وہ شخص عقیدہ نہیں رکھتا کہ تم گدھے سوٗر یا ایسے ہو جیسا وہ گالی میں تمہیں بتلا رہا ہے، صرف زبان سے

کہہ رہا ہے مگر بتلاؤ تو سہی تمہیں اس پر غصہ آتے گا یا نہیں؟ ضرور آئے گا۔ پس ایسے ہی سمجھو کہ کلماتِ کفر و شرک ضرور موجبِ غضبِ خداوندی ہوں گے کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات حیادار سے حیادار مسلمان سے بھی زیادہ غیور ہے۔"

(تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۹۴)

الاحکام السلطانیہ والولایات الدینیہ میں ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب البصری البغدادی الماوردی متوفی ۲۷۶ھ فرماتے ہیں:

وَمَنْ اَقَامَ عَلٰی رِدَّتِہٖ وَلَمْ یَتُبْ وَجَبَ قَتْلُہٗ رَجُلاً کَانَ اَوِ امْرَأَۃً وَقَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ لَا اَقْتُلُ الْمَرْأَۃَ بِالرِّدَّۃِ وَقَدْ قَتَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالرِّدَّۃِ امْرَأَۃً کَانَتْ تُکَنّٰی اُمَّ رُوْمَانَ وَلَا یَجُوْزُ اِقْرَارُ الْمُرْتَدِّ عَلٰی رِدَّتِہٖ بِجِزْیَۃٍ وَلَا عَھْدٍ وَلَا تُؤْکَلُ ذَبِیْحَتُہٗ وَلَا تُنْکَحُ مِنْہُ امْرَأَۃٌ۔

"اور جو شخص ردّت پر قائم رہا اور توبہ نہ کی اس کا قتل واجب ہے چاہے مرد ہو یا عورت اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ میں عورت کو ردّت کی وجہ سے قتل نہیں کرتا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کا حکم دیا ردّت ہی کی وجہ سے اس عورت کو جس کی کنیت امّ رومان تھی اور یہ جائز نہیں کہ مرتد کو جزیہ یا معاہدہ کی بنا پر رہنے دیا جائے اور مرتد کا ذبیحہ نہ کھایا جائے اور نہ کوئی عورت اس کے ساتھ نکاح کرے۔"

معلوم ہوا کہ مرتد مرد ہو یا عورت، اگر وہ ارتداد پر قائم رہتے ہیں تو ان کو قتل کرنا واجب ہو جاتا ہے اور مرتد کو ردّت پر جزیہ یا عہد وغیرہ کی سہولتوں پر نہ ٹھہرایا جائے، اس کو امن نہ دیا جائے نہ کسی سفارش یا کسی بڑی شخصیت کی مداخلت کی وجہ سے اسے معاف کیا جائے

اور نہ ہی اسلامی ریاست کی (اپنے فرائض و ذمہ داریوں میں) کوتاہیوں کی وجہ سے مرتد کی سزا میں کمی کی جائے غیر مسلم حکومتوں سے بغیر کسی خطرہ و خوف کے مرتد کی سزا پر ہر طرح کے مجاہدہ سے کام لیا جائے، مفید تحریری بیانات کے ذریعہ ہو یا تقریری دلائل و مطالبات کے ذریعے ہو، جلوس و مظاہرے ہوں یا سیاسی و مذہبی دباؤ کے ذریعے سے ہوں یا سفارتی و تجارتی ذرائع سے ہوں غرض ہر ممکن قوت کو استعمال کرکے اسلام کے دشمنوں اور گستاخوں کا مقابلہ کرنا عین جہاد ہے۔ اسلامی حکومتوں کو مداہنت کی بجائے جرأتِ ایمانی، مجاہدۂ اسلامی کا عملی مظاہرہ کرنا ان کے فرائضِ اسلامی میں داخل ہے۔

حضرتِ علی کا زندیق کے بارے میں فیصلہ قتل

بخاری شریف کی روایت میں ہے:-

حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ ابْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ أُتِيَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِزَنَادِقَةٍ فَأَحْرَقَهُمْ فَبَلَغَ ذَلِكَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَوْ كُنْتُ أَنَا لَمْ أُحَرِّقْهُمْ لِنَهْيِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَقَتَلْتُهُمْ لِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوهُ۔

(حدیث نمبر ۱۸۱۴)

"ابو النعمان، محمد بن فضل، حماد بن زید، ایوب، عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کے پاس زنادقہ لائے گئے۔ حضرتِ علی نے انہیں جلا دینے کا حکم دیا۔ جب حضرتِ ابن عباس کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا اگر میں ہوتا تو ان کو جلانے کا حکم نہ دیتا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس سے منع فرمایا ہے بلکہ میں ان کو قتل کرتا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے اپنا دین بدل ڈالا اسے قتل کر دو۔"

مسدد، یحییٰ، قرہ بن خالد، حمید بن ہلال، ابو بردہ، حضرتِ ابو موسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ساتھ اشعریوں کے دو آدمی تھے، ایک میرے دائیں ہاتھ کی طرف اور دوسرا بائیں طرف تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسواک فرما رہے تھے۔ ان دونوں نے درخواست کی (کہ کہیں کا عامل مقرر کر دیں) تو آپ نے ارشاد فرمایا اے ابو موسیٰ! یا یہ فرمایا اے عبد اللہ بن قیس!۔ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے انہوں نے مجھے اپنے دل کی بات نہیں بتائی اور نہ میں جانتا تھا کہ یہ دونوں کسی عہدہ کے لئے درخواست کریں گے اور میں گویا آپ کی مسواک کو دیکھ رہا تھا جو آپ اپنے ہونٹوں میں دبائے ہوتے تھے۔

آپ نے فرمایا کہ ہم درخواست کرنے والے کو کبھی عامل نہیں بناتے لیکن اے ابو موسیٰ! یا فرمایا اے عبد اللہ بن قیس! تم یمن کو جاؤ، پھر ان کے پیچھے معاذ بن جبل کو روانہ کیا۔

جب معاذ یمن پہنچے تو ابو موسیٰ نے ان کے لئے بچھونا بچھایا اور کہا کہ اترو! تو اس وقت ایک آدمی کو ان کے پاس دیکھا جو بندھا ہوا تھا، پوچھا کیا ہے؟ کہا یہ یہودی ہے، پھر اسلام لایا پھر یہودی ہو گیا۔ ابو موسیٰ نے کہا بیٹھ جاؤ، انہوں نے کہا:

لَا أَجْلِسُ حَتَّى يُقْتَلَ قَضَاءُ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَأَمَرَ بِهِ فَقُتِلَ۔

"میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک یہ قتل نہ کیا جائے اللہ اور اس کے رسول کا یہی حکم ہے، تین بار یہ کہا چنانچہ حکم قتل پر قتل کر دیا گیا۔"

بخاری شریف باب قَتْلِ مَنْ اَبٰی قُبُوْلَ الْفَرَائِضِ وَمَا نُسِبُوْا اِلَی الرِّدَّةِ (اس شخص کا قتل جو فرائض کے قبول کرنے سے انکار کرے اور جس کی طرف ارتداد کی نسبت کی جائے) میں ہے:

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ اَبُوْ بَكْرٍ وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ قَالَ عُمَرُ: يَا اَبَا بَكْرٍ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عَصَمَ مِنِّيْ مَالَهٗ وَنَفْسَهٗ اِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ وَاللّٰهِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ فَاِنَّ الزَّكٰوةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِيْ عَنَاقًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهَا قَالَ عُمَرُ فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ اِلَّا اَنْ رَاَيْتُ اَنْ قَدْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَ اَبِيْ بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ اَنَّهُ الْحَقُّ۔

"یحییٰ بن بکیر، لیث، عقیل، ابن شہاب، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو عرب کے بعض لوگ کافر ہو گئے تو حضرت عمر نے کہا کہ اے ابوبکر آپ کس طرح

لوگوں سے جہاد کریں گے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کروں یہاں تک کہ لا الٰہ الا اللہ کہیں جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اس نے مجھ سے اپنی جان و مال بچا لیا مگر اس کے حق کے ساتھ اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔

حضرت ابوبکر نے کہا بخدا! میں اس سے ضرور بالضرور جہاد کروں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ بخدا اگر یہ لوگ ایک بکری کا بچہ بھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے، مجھے نہ دیں گے تو میں ان سے اس زکوٰۃ کے نہ دینے پر جہاد کروں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ خدا کی قسم اللہ نے ابوبکر کا سینہ جہاد کے لئے کھول دیا ہے چنانچہ میں نے جان لیا کہ وہ حق پر ہیں۔"

یہ تین احادیث مبارکہ بخاری شریف کی ہیں اور ان سے بہت سے مسائل ثابت ہوتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ مرتد کے بارے میں حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا اس پر اتفاق ہے کہ اسے موت کی سزا دی جائے۔

۲۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مرتد کی سزائے موت الفاظ حدیث میں صراحۃً وارد ہے۔ جس کی وجہ سے صحابہ کرام نے عملی مظاہرہ کیا نیز امیر المومنین خلیفہ اوّل نے منکرین زکوٰۃ سے جہاد فرمایا جس پر صحابہ کرام کا عملی اجماع منعقد ہو چکا۔

۳۔ یہ بھی واضح ہوا کہ جس طرح سارے دین کا انکار کرنا کفر و ارتداد ہے ایسے ہی کسی ایک فرض اسلامی کا انکار بھی کفر ہے ارتداد ہے۔

۴۔ خلیفۂ اول کے اقدام جہاد سے معلوم ہوا کہ مرتدین کے خلاف کارروائی کرنا اسلامی ریاست کا فرض ہے۔

جس طرح خلیفۂ اوّل نے مرتدین کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے بعض صحابۂ کرام کی عارضی مصلحت کو نظر انداز فرمایا ایسے ہی حکمران اور عوام بھی مصلحتوں پر دینی غیرت و تحفظ کو اوّلیت دیں جیسے حضرتِ معاذ بن جبل بحیثیت نائب ہونے کے اپنے اعلیٰ امیر ابو موسیٰ اشعری سے مرتد کے خلاف سزائے موت دینے کا مطالبہ کیا ایسے ہی عوام و خواص یا ادنیٰ طبقہ کو حکمرانِ اعلیٰ اور گورنمنٹ سے مرتد کے قتل کے لئے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔

اسحاق بن ابراہیم حنظلی اور عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن بن مسور الزہری، سفیان بن عیینہ، عمرو، حضرتِ جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کعب بن اشرف کو کون قتل کرتا ہے کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ستا رکھا ہے۔

محمد بن مسلمہ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اسے قتل کر ڈالوں؟ آپ نے فرمایا ہاں محمد بن مسلمہ نے کہا مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہہ لے چنانچہ محمد بن مسلمہ اس کے پاس آئے اور کعب سے باتیں کیں اور اپنا اور حضور کا معاملہ بیان کیا اور کہا اس شخص (حضور) نے صدقہ لینے کا ارادہ کیا اور ہمیں تکلیف دے رکھی ہے (یہ تعریض ہے)۔

جب کعب نے یہ سنا تو بولا خدا کی قسم ابھی تمہیں اور تکلیف ہو گی محمد بن مسلمہ نے کہا اب ہم اس کے شریک ہو چکے ہیں اور اس کا چھوڑ دینا بھی برا معلوم ہوتا ہے تاوقتیکہ ہم اس کا انجام نہ دیکھ لیں کہ کیا ہوتا ہے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے قرض دو، کعب نے کہا کہ تم میرے پاس کیا چیز رکھو گے؟ ابنِ مسلمہ بولے جو تم چاہو، کعب نے کہا اپنی عورتیں رہن رکھ دو۔ ابنِ مسلمہ بولے تم عرب کے حسین ترین آدمی ہو ہم یہ کیسے کر سکتے ہیں، کعب بولا اچھا اپنے بچے رہن رکھ دو، ابنِ مسلمہ بولے کہ بعد میں ہمارے بچوں کو عار دلائی جائیگی اور کہا جائے گا کہ دو وسق کھجور کے عوض تمہیں رہن رکھا گیا البتہ ہم اپنے ہتھیار تیرے پاس

رہن رکھ دیں گے۔ کعب نے کہا اچھا، ابنِ مسلمہ نے کعب سے وعدہ کیا تھا کہ حارث اور ابو عبس بن جبیر اور عباد بن بشر کو تمہارے پاس لے کر آؤں گا چنانچہ یہ حضرات اس کے پاس آئے اور رات ہی کو اسے بلایا، کعب نیچے اترنے لگا تو اس کی بیوی بولی ایسی آواز آرہی ہے جیسا کہ خون کی ہو۔ کعب بولا محمد بن مسلمہ اور اس کا ہمشیر اور ابو نائلہ ہی ہیں اور شریف آدمی کو تو اگر رات کے وقت بھی نیزہ بازی کے لئے بلایا جاتا ہے تو وہ قبول کرتا ہے۔

ابنِ مسلمہ نے اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا کہ جب کعب آئے گا تو میں اس کے سر کی طرف ہاتھ بڑھاؤں گا، جب میں اس پر قابو پا لوں تو تم اس پر حملہ کر دینا چنانچہ جب کعب اترا تو سر کو چادر سے چھپائے ہوئے تھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ سے خوشبو کی مہک آرہی ہے، وہ بولا میرے ہاں فلاں عورت ہے جو عرب میں سب سے معطّر ہے، ابنِ مسلمہ نے کہا کیا آپ مجھے سونگھنے کی اجازت دیں گے؟ کعب نے کہا ہاں سونگھ لو، ابنِ مسلمہ نے اس کا سر سونگھا، پھر پکڑا پھر سونگھا، پھر سونگھنے کے لئے آمادہ ہوئے تو مضبوطی سے اس کا سر پکڑ لیا، پھر اپنے ساتھیوں سے کہا، لو، چنانچہ اس کا کام تمام کر دیا گیا۔

مسلم شریف میں ہے:

فَاسْتَمْكَنَ مِنْ رَأْسِهِ ثُمَّ قَالَ دُوْنَكُمْ قَالَ فَقَتَلُوْهُ

(کتاب الجہاد والسیر)

"تو مضبوطی سے اس کا سر پکڑا اور اپنے ساتھیوں سے کہا، لو! تو کعب بن اشرف (گستاخ) کو انہوں نے قتل کر دیا۔"

اس طویل واقعہ کو نقل کرنے سے تاریخی حیثیت واضح ہو جاتی ہے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی اور فرمان یہی تھا کہ گستاخِ رسول کعب بن اشرف کو سزائے موت دی جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

بخاری شریف کتاب المحاربین من اہل الکفر والردۃ باب ۹۶۳ میں ہے :-

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ۔

" ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں صرف یہ ہے کہ وہ قتل کر دیے جائیں یا سولی پر چڑھا دیے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں خلاف سے کاٹ دیئے جائیں یا جلاوطن کر دیے جائیں "

حدیث ۱۷۰۷ میں ہے :-

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو قِلَابَةَ الْجَرْمِيُّ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَرٌ مِنْ عُكْلٍ فَأَسْلَمُوا فَاجْتَوَوُا الْمَدِينَةَ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَأْتُوا إِبِلَ الصَّدَقَةِ فَيَشْرَبُوا مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا فَفَعَلُوا فَصَحُّوا فَارْتَدُّوا وَقَتَلُوا رُعَاتَهَا وَاسْتَاقُوا فَبَعَثَ فِي آثَارِهِمْ فَأُتِيَ بِهِمْ فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ وَسَمَلَ أَعْيُنَهُمْ ثُمَّ لَمْ يَحْسِمْهُمْ حَتَّى مَاتُوا۔

" علی بن عبداللہ، ولید بن مسلم اوزاعی، یحییٰ بن ابی کثیر، ابوقلابہ جرمی حضرت انس سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عکل کے کچھ لوگ حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا، مدینہ کی آب و ہوا ان کے موافق نہ ہوئی تو آپ نے ان لوگوں کو حکم دیا کہ صدقہ کے

اونٹوں کے پاس جائیں اور ان کا پیشاب اور دودھ پئیں۔ انہوں نے اسی طرح کیا تندرست ہو گئے، پھر وہ لوگ مرتد ہو گئے اور آپ کے چرواہوں کو قتل کر کے (مویشی لے بھاگے) آپ نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیے اور ان کی آنکھیں پھروا دیں اور ان کو (کاٹنے کی جگہ پر) داغ نہیں لگوایا یہاں تک کہ وہ مر گئے۔"

اس حدیث کے واقعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام لانے کے بعد ارتداد کے اس قسم کے جرائم میں سزائے موت دی جائے گی اور متعدد جرائم پر متعدد سزائیں بھی دی جا سکتی ہیں گو کہ صرف قتل کرنا بھی اس قسم کے جرائم میں کافی ہو جاتا ہے اور اس سے قتلِ مرتد کا اثبات بھی ہو جاتا ہے۔

حیرت ہے ان ماڈرن مسلمانوں پر جو دینِ اسلام کی قطعیات کو اپنے چھوٹے سے دماغ و عقل کے پیمانے میں موازنہ کرتے ہیں۔ قرآن و حدیث اور اجماعِ امت سے تو یہ بات ثابت ہے کہ مرتد کا قتل واجب ہے اور بخاری شریف کی حدیث میں عام حکم ہے ؛

مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ

اور یہ ماڈرن مسلمان مرتد کے قتل کے منکر ہیں حالانکہ قتلِ مرتد قرآنِ حکیم سے بھی ثابت ہے جیسا کہ تفصیل گذر چکی ہے نیز عارضی حکومت کا باغی لائق قتل ہے تو حکومتِ الٰہیہ کا باغی بھی قابلِ قتل ہونا چاہیئے کیونکہ مرتد ربانی حکومت کا باغی ہوتا ہے۔

حدیثِ مذکور میں مُثلہ کا ذکر آیا ہے، یہ سزا یا تو ابتدائی مرحلہ میں مدینہ منورہ میں دی گئی تھی بعد میں مُثلہ کرنے کی یہ سزا ممنوع قرار دے دی گئی یا یہ سزا اس لئے دی گئی تھی کہ ان لوگوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہوں کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا تو قصاصاً ایسا کرنا مناسبِ حال تھا، ایک مجرم کے متعدد جرائم کو اکٹھا کیا جا سکتا ہے (از مرقات)۔

اب بھی قصاصاً مُثلہ کرنا جائز ہے سزا کے طور پر منع ہے (اشعۃ اللمعات)

مُثلہ کے لغوی معنے سخت سزا کے ہیں اور اصطلاحِ شرع میں میّت یا مقتول کے ہاتھ، پاؤں، ناک، آنکھ وغیرہ کاٹنے کو کہتے ہیں۔

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَيَخْرُجُ قَوْمٌ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ حُدَّاثُ الْاَسْنَانِ سُفَهَاءُ الْاَحْلَامِ يَقُوْلُوْنَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ لَا يُجَاوِزُ اِيْمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ فَاَيْنَمَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ فَاِنَّ فِيْ قَتْلِهِمْ اَجْرًا لِّمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (متفق علیہ)

"روایت ہے حضرتِ علی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ آخر زمانے میں ایک قوم نکلے گی، نوعمر، عقل کے ہلکے، کلام کریں گے مخلوق کے بہترین قول (قرآنِ کریم) سے، ان کا ایمان ان کے گلے سے نہ اترے گا، دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے، تو تم جہاں کہیں انہیں پاؤ قتل کردو کہ قیامت کے دن ان کے قتل میں ثواب ہے ان کے لئے جو انہیں قتل کرے گا۔"

(بخاری و مسلم شریف)

یعنی دعوائے اسلام کے باوجود وہ دین سے نکل گئے ہوں گے اور انہیں اس لئے قتل کردو کہ وہ مرتد ہو چکے ہوں گے یا سلطانِ اسلام کے باغی ہوں گے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ خوارج، باغی اور مرتد کا قتل صرف جائز ہی نہیں بلکہ کارِ ثواب ہے۔

اِس حدیث کے الفاظ ہیں:

فَاَيْنَمَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ

یعنی جہاں کہیں پاؤ، زمین کے کسی خطہ میں خشکی میں، تری میں اپنے مسلم ملک میں یا غیر مسلم ملک میں، یہ فسادی مرتد ہیں انہیں قتل کردو، تمہیں ثواب ملے گا۔ سلطنتِ الٰہیہ کا دشمن و باغی سلطنتِ الٰہیہ کے کسی حصہ میں پایا جائے، وہ واجب القتل ہے اور اس کی سزا سزائے موت متعیّن ہے۔

صاحبِ فتح القدیر نے معراج الدرایہ سے نقل کیا ہے:-

وَفِي الدِّرَايَةِ قَالَ فِي الزِّنْدِيْقِ لَنَا رِوَايَتَانِ فِيْ رِوَايَةٍ لَا تُقْبَلُ تَوْبَتُهُ كَقَوْلِ مَالِكٍ وَاَحْمَدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ تُقْبَلُ كَقَوْلِ الشَّافِعِيِّ وَهٰذَا فِيْ حَقِّ اَحْكَامِ الدُّنْيَا اَمَّا فِيْمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللّٰهِ جَلَّ ذِكْرُهُ اِذَا صَدَقَ قَبِلَهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى بِلَا خِلَافٍ

(فتح القدیر ج ۶ ص ۷۰)

وَمَا عَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ: لَوْ فَعَلَ ذٰلِكَ مِرَارًا يُقْتَلُ غِيْلَةً الخ

"درایہ میں ہے فرمایا زندیق کے بارے میں ہماری دو روایتیں ہیں، ایک روایت میں ہے کہ زندیق کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی جیسے امام مالک اور احمد کا قول ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ توبہ قبول کی جائے گی جیسے کہ امام شافعی کا قول ہے اور یہ قبولِ توبہ احکامِ دنیا کے حق میں ہے، باقی توبہ کرنے والے اور اللہ جلّ ذکرہٗ کے درمیان (جو معاملہ ہے) جب توبہ کرنے والا سچائی کر گیا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا بغیر کسی خلاف کے"

اور جو امام ابو یوسف کی طرف سے ہے کہ اگر کسی نے ارتداد و زندقہ بار بار کیا تو حیلہ سے اسے قتل کردیا جائے گا۔"

معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک بھی زندیق و مرتد کی توبہ قبول نہ کرنے کو ترجیح

حاصل ہے۔

مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ غَيَّرَ دِيْنَهٗ فَاضْرِبُوْا عُنُقَهٗ قَالَ مَالِكٌ وَمَعْنٰى قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا نَرٰى وَاللّٰهُ اَعْلَمُ مَنْ غَيَّرَ دِيْنَهٗ فَاضْرِبُوْا عُنُقَهٗ اِنَّهٗ مَنْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ اِلٰى غَيْرِهٖ مِثْلَ الزَّنَادِقَةِ وَاَشْبَاهِهِمْ فَاِنَّ اُولٰٓئِكَ اِذَا ظُهِرَ عَلَيْهِمْ قُتِلُوْا وَلَمْ يُسْتَتَابُوْا لِاَنَّهٗ لَا يُعْرَفُ تَوْبَتُهُمْ وَاِنَّهُمْ كَانُوْا يُسِرُّوْنَ الْكُفْرَ وَيُعْلِنُوْنَ الْاِسْلَامَ فَلَا اَرٰى اَنْ يُسْتَتَابَ هٰؤُلَاءِ وَلَا يُقْبَلُ مِنْهُمْ قَوْلُهُمْ وَاَمَّا مَنْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ اِلٰى غَيْرِهٖ وَاَظْهَرَ ذٰلِكَ فَاِنَّهٗ يُسْتَتَابُ فَاِنْ تَابَ وَاِلَّا قُتِلَ ذٰلِكَ۔

(باب القضاء فیمن ارتد عن الاسلام)

" امام مالک حضرت زید بن اسلم سے بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنا دین (اسلام) بدلا تو اس کی گردن مارو۔ امام مالک نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا معنیٰ "جس نے اپنا دین بدلا تو اس کی گردن مارو" یہ ہے کہ جو اسلام سے کسی دوسرے دین کی طرف نکلے جیسے زندیق لوگ ہیں اور جو ان کی مثل ہیں بے شک ان (مرتدوں) پر جب غلبہ پا لیا جائے انہیں قتل کیا جائے اس لئے کہ ان کی توبہ کی معرفت و پہچان نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ یہ لوگ کفر کو چھپاتے ہیں اور اسلام کو ظاہر کرتے ہیں۔ میری رائے یہ نہیں کہ ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اور نہ ان کی بات (توبہ) قبول کی جائے اور جو اسلام سے

غیر دین کی طرف نکلا اور اس بات کو ظاہر کرے تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا، اگر توبہ کر جائے تو بہتر ورنہ اسے قتل کیا جائے۔"

معلوم ہوا کہ جو مرتد توبہ نہ کرے اسے قتل کر دیا جائے گا اور ان سے توبہ کا مطالبہ بھی نہ کیا جائے گا کہ ان کا کوئی اعتبار نہیں۔

امام حجۃ الاسلام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصّاص الحنفی (متوفی ۳۷۰ھ) اپنی کتاب احکام القرآن میں فرماتے ہیں:۔

قَوْلُهٗ تَعَالٰى (وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ)

" اور اگر وہ لوگ اپنی قسموں کو توڑ دیں عہد کرنے کے بعد اور تمہارے دین میں طعنے دیں تو کفر کے پیشواؤں (لیڈروں) سے جنگ و قتال کرو۔"

فِيْهِ دَلَالَةٌ عَلٰى اَنَّ اَهْلَ الْعَهْدِ مَتٰى خَالَفُوْا شَيْئًا مِّمَّا عُوْهِدُوْا عَلَيْهِ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِنَا فَقَدْ نَقَضُوا الْعَهْدَ۔

اس آیت میں اس بات پر رہنمائی ہے کہ ذمی لوگ یا جن سے معاہدہ موجب یہ لوگ جن جن چیزوں پر عہد کر چکے ہیں ان میں کسی شے کی مخالفت کر لیں اور ہمارے دین (اسلام) میں طعنے کریں تو بے شک انہوں نے عہد کو توڑ ڈالا۔"

آگے مزید فرماتے ہیں:۔

ثُمَّ لَمَّا اضَمَّ اِلٰى ذٰلِكَ الطَّعْنَ فِي الدِّيْنِ مَمْنُوْعُوْنَ مِنْ اِظْهَارِ الطَّعْنِ فِيْ دِيْنِ الْمُسْلِمِيْنَ وَهُوَ يَشْهَدُ لِقَوْلِ مَنْ يَّقُوْلُ مِنَ الْفُقَهَاءِ اَنَّ مَنْ اَظْهَرَ شَتْمَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَهْلِ الذِّمَّةِ فَقَدْ وَجَبَ قَتْلُهٗ۔

"جب عہد کے ساتھ دین میں طعن کو ختم کیا گیا ہے تو اہلِ عہد مسلمانوں کے دین میں طعن کو ظاہر کرنے سے روک کے رہیں گے اور اس کی شہادت فقہاء کا یہ قول دے رہا ہے، بے شک ذمی جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں تو اس کا قتل واجب ہوگا۔"

مزید فرماتے ہیں:

وَقَالَ اللَّيْثُ فِي الْمُسْلِمِ يَسُبُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ لَا يُنَاظَرُ وَلَا يُسْتَتَابُ وَيُقْتَلُ مَكَانَهُ وَكَذٰلِكَ الْيَهُودِيُّ وَالنَّصَارٰى.

"اور لیث نے فرمایا ایسے مسلمان کے بارے میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہو کہ بے شک اس سے نہ مناظرہ کریں، نہ مہلت دیں اور نہ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اور اسے اسی جگہ پر قتل کیا جائے اور ایسے ہی یہودی اور نصاریٰ (شاتم) کا بھی حکم ہے۔"

مزید فرماتے ہیں:-

فَإِذَا ثَبَتَ ذٰلِكَ كَانَ مَنْ أَظْهَرَ سَبَّ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ الْعَهْدِ نَاقِضًا لِلْعَهْدِ إِذْ سَبُّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَكْثَرِ الطَّعْنِ فِي الدِّينِ.
(احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۸۵)

"پس جب یہ ثابت ہوگیا تو ذمی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے تو وہ عہد کو توڑنے والا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینا دین میں طعن کرنے سے زیادہ (برا) ہے۔"

اس سے متعلق آیہ کریمہ کا حکم ملاحظہ فرمائیں:-

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللهُ بِأَيْدِيكُمْ.

"انہیں قتل کرو اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں کے ذریعہ قتل کا عذاب دے رہا ہے۔"

معلوم ہوا کہ سب سے بڑا بدترین ارتداد یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کو گالیاں اور اذیتیں دی جائیں جس کی سزا بطور حد صرف قتل ہے اور اس کی توبہ قابلِ قبول نہیں ہے اور یہ قتل کرنا دنیا میں عذابِ الٰہی ہے جو مسلمانوں کے ہاتھوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ یہ عذاب گستاخوں کو دیتا رہا ہے۔

احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۱۰۶ پر منقول ہے:-

وَلَا خِلَافَ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ أَنَّ مَنْ قَصَدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ فَهُوَ مِمَّنْ يَنْتَحِلُ الْإِسْلَامَ أَنَّهُ مُرْتَدٌّ يَسْتَحِقُّ الْقَتْلَ.

"مسلمانوں کا آپس میں اس بات میں اختلاف نہیں کہ جس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت و ایذاء رسانی کا قصد کیا اور وہ مسلمان کہلاتا ہے، وہ مرتد مستحقِ قتل ہے۔"

یعنی گستاخِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر اسلام کا دعویٰ کرتا ہے تو اس گستاخی سے مرتد ہو جاتا ہے اور مرتد کی سزا سزائے موت ہے، اس کی سزائے موت میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ شاتمِ رسول کی توبہ قابل قبول نہیں ہوتی ہے اور اگر عام مرتد بھی توبہ نہ کرے تو اس کی سزا بھی قتل ہے عام مرتد ہو یا شاتمِ رسول خاص درجہ کا مرتد ہو ان کے مستحقِ قتل ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے البتہ بعض کے ہاں اتنی بات ہے کہ جو مرتد شاتمِ رسول بھی ہو تو کیا اس کی توبہ قابلِ قبول ہے یا کہ نہیں، اس میں جمہور کی اکثریت اسی پر قائم ہے کہ ایسے شاتمِ رسول کے لئے عند اللہ توبہ قابلِ قبول ہو سکتی ہے لیکن ایسی توبہ کہ جس سے حدِ قتل معاف اور ساقط ہو جائے ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ توبہ کرنے کے

باوجود سزائے موت دی جائے گی جیسے قتل، زنا، چوری ڈکیتی وغیرہا جرائم سے توبہ تو کی جاسکتی ہے لیکن حد معاف نہیں ہوگی۔

علامہ جصاص حنفی احکام القرآن ج۲ ص ۲۸۶ میں فرماتے ہیں :۔

وَمَنْ قَتَلَ مُرْتَدًّا قَبْلَ اَنْ يُّسْتَتَابَ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ۔

" اور جس کسی نے مرتد کو توبہ کے مطالبہ سے پہلے قتل کیا تو اس پر کوئی ضمان اور تاوان نہیں "

وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ كَذٰلِكَ نَرىٰ مَانَا فَلَمَّا رَاٰى مَا يَصْنَعُ الزَّنَادِقَةَ وَ يَعُوْدُوْنَ قَالَ اَرٰى اِذَا اُتِيْتُ بِزَنَادِيْقَ اٰمُرُ بِضَرْبِ عُنُقِهٖ وَلَا اَسْتَتِيْبُهٗ الخ

" اور امام ابو یوسف نے فرمایا معاملہ قبول توبہ کا کچھ عرصہ رہا پس جب انہوں نے دیکھا کہ قبولِ توبہ کا فریب زندیق لوگ دیتے رہتے ہیں اور اس سے پھر جایا کرتے ہیں تو انہوں نے کہا اب میں یہ رائے رکھتا ہوں کہ جب زندیق میرے ہاں لائے جائیں تو میں حکم کروں گا، ان کی گردن مارنے کا (حالتِ ارتداد میں) اور میں توبہ کا مطالبہ نہیں کروں گا "

مزید فرماتے ہیں :۔

وَقَالَ اللَّيْثُ النَّاسُ لَا يَسْتَتِيْبُوْنَ مَنْ وُّلِدَ فِى الْاِسْلَامِ اِذَا شَهِدَ عَلَيْهِ بِالرِّدَّةِ وَلٰكِنَّهٗ يُقْتَلُ تَابَ مِنْ ذٰلِكَ اَوْلَمْ يَتُبْ اِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ الْعَادِلَةُ۔

(احکام القرآن)

" اور لیث نے فرمایا لوگ ایسے آدمی سے توبہ کا مطالبہ نہیں کرتے ہیں جو اسلام میں جنا گیا ہو (کیونکہ) جب اس پر ردت کی شہادت ہو چکی ہو تو اسے

قتل کیا جائے گا ردت سے توبہ کرے یا نہ کرے جبکہ عادلانہ گواہی قائم ہوگئی ہو "

یہی وجہ ہے کہ ابنِ نواحہ باوجود اس کے کہ اس نے اسلام کے ذریعہ اپنے آپ کو بچانا چاہا تھا لیکن یہ صرف ان کا تقیہ تھا کہ اسلام کا نام لیا، اس گستاخ و مرتد کو قتل ہی کیا گیا۔ (حوالۂ مذکورہ)

ہمارے ذکر کردہ دلائل سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ ارتداد کا جرم قرآن وسنت کا منصوص جرم ہے نیز اس کے جرم ہونے پر اجماع منعقد ہے اور اس جرمِ ارتداد اور جرمِ سب وشتمِ رسول کی سزا بھی بطورِ حد قتل کرنا قرآن وسنت اور اجماعِ امت سے ثابت ہے اور اقوالِ علماءِ دین سے بھی ثابت ہے۔

عام مرتد چاہے مرد ہو یا عورت ہو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا، زیادہ سے زیادہ تین دن کی مہلت دی جائے اور یہ مہلت دینا بھی مستحب ہے، واجب نہیں اور مہلت ملنے کے بعد جب مہلت ختم ہوگی تو اس صورت میں اگر مرتد نے توبہ نہ کی تو اس مرتد مرد یا عورت کو قتل کیا جائے گا، یہی جمہور کا مذہب ہے۔

نفسِ ارتداد اور اس کے جرم میں سب برابر ہیں اور اگر کوئی شاتمِ رسول ہو تو اسے ہر حال میں قتل کیا جائے گا چاہے مسلمان مرد ہو یا عورت یا ذمی کافر ہو یا حربی کافر ہو، استحقاقِ قتل میں کوئی بھی مستثنے نہیں ہوگا۔

سوال : رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین وتنقیص کرنا بطورِ حد سزائے موت کو تب واجب کرتا ہے جب یہ سزا صرف اور صرف رسول کی ذات کو ایذاء دینا مقصود ہو اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ رسول کی اہانت وگستاخی صرف اس غرض سے ہو کہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات اور مذہبی عقیدتوں میں اشتعال پیدا کرنا مراد ہو تو پھر یہ بالواسطہ ایذاء ہوگی جس کی سزا قتل نہیں۔

جواب : ہماری تفصیلی تحریر کو بنظرِ غائر پڑھنے کے بعد سائل کا شبہ خود بخود زائل ہو جاتا ہے

یاد رہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق الگ ہیں اور اللہ تعالےٰ کے حقوق جداگانہ ہیں اور مسلمانوں کے حقوق الگ ہیں، اس پر قرآن وسنت وفقہ شاہد ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حیثیت سے کہ یہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے آخری نبی و رسول بن کر اللہ تعالےٰ کے دینِ اسلام کی تشریح و توضیح و بیان اور تبلیغ فرماتے رہے۔ اس لحاظ سے رسول کی تعظیم اللہ تعالےٰ ہی کی تعظیم ہوگی اور رسول کی توہین و تنقیص اس اعتبار سے اللہ تعالےٰ ہی کی توہین و تنقیص تصور ہوگی کیونکہ رسالت کا مرتبہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے فضلِ خصوصی کا نام اور رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرنا بجائے خود فرضِ قطعی ہے اور اہلِ ایمان کی علامت ہے اور رسول کی توہین کفر و ارتداد ہے بلکہ بدتر ارتداد ہے جیسے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ

"اے ایمان والو! رسول کی خدمت میں راعنا نہ کہو بلکہ انظرنا کہو اور سنو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

لہٰذا توہینِ رسول کفر و ارتداد ہے اور اس کی سزا عذاب ہے اور ساتھ ہی رسول کی ذات کو اذیت پہنچانا بھی ہے جس کی سزا لعنت اور قتل ہے۔

جب رسول کو گالیاں دی جائیں گی تو اس سے براہِ راست رسول کی توہین ہو جائے گی اور ساتھ ہی اللہ کی بھی توہین ہو جائے گی کیونکہ دونوں کی ایذا کی جہت و مرتبہ ایک ہے اور ایسا کرنے سے مسلمانوں کو اذیت دینے کا قصد ہو یا نہ ہو جب بھی رسول کی تنقیص و توہین کی جائے گی تو بغیر کسی مانع کے اس سے اللہ تعالےٰ اور مسلمانوں کو اذیت پہنچ جائے گی، اب ایسا کرنے سے تینوں اذیتوں کا اجتماع ہو جاتا ہے تو ایسے گستاخ و ظالم کسی طرح سزائے موت سے نہیں بچ سکتے۔

کتنی کمزور بات ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو برانگیختہ کرنے کے لئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والاصفات کی گستاخی کو ذریعہ بنایا جارہا ہے اور پھر اس جرمِ عظیم کو قابلِ سزا نہیں سمجھا جارہا۔ اس سے بڑی حماقت، ناسمجھی اور کیا ہو سکتی ہے۔ نیت اور ارادہ پر پابندی نہیں ہے، کوئی بھی ہو لیکن رسول کی بلاواسطہ گستاخی کرنے پر رسول کی نسبت سے قرآن وسنت اور اجماعِ امت کا حکم جاری ہوگا قطعی حدود اور عقائد میں ظاہری عبارات و بیانات کا اعتبار ہوگا، صریح عبارت و بیان پر صریح حکم ہی جاری ہوگا لہٰذا اہانتِ رسول کے باب میں صراحت پر فتوےٰ دیا جائے گا، تاویلات کا سہارا الینا کام نہیں دے سکتا ورنہ دین سے امان اٹھ جائے گا، ہر کوئی اللہ تعالےٰ کی گستاخی کر کے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاءِ کرام علیہم السلام کا انکار یا توہین و تنقیص کر کے یہ حیلہ و فریب دے سکتا ہے کہ اس کی نیت بے ادبی کی نہ تھی جیسے کہ کئی اہلِ علم و دانش اور کئی اہلِ فکر و صحافت وغیرہ غافلوں نے یہی طریقہ اختیار کر لیا تھا جس کو امتِ مسلمہ کے علماء بار بار رد کر چکے ہیں۔

قرآنِ پاک میں ہے:-

قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ۔

(التوبۃ، آیہ ۶۵، ۶۶)

"(اور اے محبوب!) تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول پر ہنستے ہو؟ بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہونے کے بعد"

اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام سے بڑھ کر کس کی نیت زیادہ ستھری اور باادب تھی اس کے باوجود انہیں راعنا کہنے سے روکا گیا تاکہ کسی قسم کی توہین و تنقیص کا راستہ پیدا نہ ہو سکے حالانکہ راعنا کہنے میں صحابہ کرام کی نیت تو احترام و تعظیم کی تھی مگر پھر بھی

راعنا کو بطورِ احترام کے بھی بولنا اس لئے حرام قرار دیا گیا کہ اس کے تلفّظ سے گستاخِ رسول کو بولنے کا موقع مل جائے گا لہٰذا شریعت نے جس امر کو توہین قرار دیا ہو یا عرف میں کسی کلمہ کو یا محاورہ کو بطورِ بے ادبی کے استعمال ہوتا ہو اس کا بارگاہِ نبوت میں بولنا بھی حرام ہوگا گو کہ توہین کی نیت نہ ہو، عرف کا اعتبار ہوگا، نیت کا اور تاویل کا اعتبار نہ ہوگا، کلام اگر عرف اور محاورے میں صریح توہین پر مبنی ہو تو اس میں تاویل اور نیت کا اعتبار کرنا شرعاً ممنوع ہوگا۔

ایک مثال عرف میں یہ ہے کہ کسی کو ولد الحرام کہا جائے، عرف میں گالی ہے جس سے زنا کے ذریعہ جو پیدا ہو، مراد ہے۔ اب بولنے والا یہ تاویل کرنے لگے کہ میں نے المسجد الحرام اور بیت اللہ الحرام کے معنٰی میں یہ کلمہ بولا ہے جس کے معنٰی ہیں مسجد اور بیت اللہ جو کہ معظم و محترم ہیں یعنی عزت و احترام والی جگہیں، اب تاویل تو بڑی خوبصورت کی گئی مگر عرف و محاورے میں اس کی تاویل اس لئے قبول نہیں کی جائیگی کہ عرف میں اس لفظ سے عزت و احترام والا لڑکا مراد نہیں لیا جاتا بلکہ اس سے گالی دینا مراد ہوتا ہے لہٰذا عرف اور محاورے کے خلاف ہزار تاویلیں بھی کی جائیں قبول نہیں کی جائینگی نہ ہی ایسی تاویلیں معتبر ہوں گی ورنہ پھر دین سے امان اٹھ جائیگا اور ایسے ہی عدالتوں اور شخصیات کا احترام بھی تاویلاتِ فاسدہ کی زد میں آکر قانونی تحفظ، احترام اور ہتکِ عزت کا قانون بے مقصد ہو کر رہ جائے گا۔

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی اپنی کتاب نسیم الریاض شرح الشفاء للقاضی عیاض کے ج ۴ ص ۶۶ میں فرماتے ہیں:

اَلْمَدَارُ فِی الْحُکْمِ بِالْکُفْرِ عَلَی الظَّوَاھِرِ وَلَا نَظَرَ لِلْمَقْصُوْدِ وَالنِّیَّاتِ وَلَا نَظَرَ لِقَرَائِنِ حَالِہٖ۔

" توہینِ رسالت و نبوت پر کفر کا حکم ظاہری الفاظ پر ہے اور توہین کرنیوالے

کے قصد و نیت اور اس کے قرائنِ حال کو نہیں دیکھا جائے گا۔"

اسی طرح شفاء شریف ج ۲ ص ۲۱۷ پر قاضی عیاض فرماتے ہیں:

قَالَ حَبِیْبُ بْنُ الرَّبِیْعِ لِاَنَّ ادِّعَاءَ التَّاوِیْلِ فِیْ لَفْظٍ صَرَاحٍ لَا یُقْبَلُ۔

" حبیب بن ربیع نے فرمایا کہ لفظِ صریح میں تاویل کا دعوٰے قبول نہیں کیا جائے گا۔"

ان عبارات سے واضح ہے کہ یہ ضروری ہے کہ توہینِ صریح میں کسی گستاخِ نبوت کی نیت اور قصد کا اعتبار نہ کیا جائے اور نہ ہی کسی کلام کے توہینِ صریح ہونے میں عرف و محاورے پر مبنی ہونے کو نظر انداز کیا جائے۔

سوال: بعض فقہاء کے ہاں یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کے کلام میں ننانوے وجوہ کفر کی ہوں اور اسلام کی صرف ایک وجہ کا احتمال ہو تو ایسے مسلمان پر کفر کا فتوٰے نہیں لگایا جائے گا۔

جواب: اس پر پہلے کلام گذر چکا ہے اور مندرجہ بالا عبارتوں سے بھی اس شبہہ کا ازالہ ہو گیا ہے۔

مزید عرض ہے کہ کلام میں دو اعتبار ہیں، ایک یہ ہے کہ کسی مسلمان کے کلام میں ننانوے وجوہ کفر کا صرف احتمال ہو اور کوئی وجہ کفر صریح نہ ہو تو ایسے کلام میں اسلام کی صرف ایک وجہ کا جو احتمال ہے تو اس وجہِ اسلام کا اعتبار کرتے ہوئے مسلمان پر کفر کا فتوٰے نہیں لگایا جائے گا اور اس وجہِ اسلام کو معتبر مان کر ننانوے وجوہِ کفر کو کالعدم قرار دیا جائے گا،

اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی

اور اگر کلام میں صرف ایک وجہ ایسی ہو جو صریح کفر بتا رہی ہو تو اب صریح کفر کی وجہ کا

اعتبار ہوگا اور اس وجہِ صریح توہین کے اعتبار سے کفر کا فتویٰ جاری ہوگا، اب صریح
وجہِ کفر کے ہوتے ہوئے نیت و قصد کا سہارا لے کر کسی قسم کی تاویل قبول نہ کی جائے،
اس پر کلام ہو چکا۔

سوال: اگر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص کرنے کی سزا بطور حد قتل کرنا
ہے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں کئی منافقین نے صریح توہین و گستاخیاں کیں،
بعض اوقات منافقوں کی صریح توہین کو دیکھ کر اور سُن کر صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ
اجازت ہو کہ ہم اس گستاخ منافق کو قتل کر دیں، اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے اجازت نہیں دی جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ توہین کی سزا قتل کرنا نہیں ہونا چاہئے۔

مثال کے طور پر دیکھیں حضرتِ انس بن مالک سے روایت ہے کہ ایک یہودی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرا اور اَلسَّامُ عَلَيْكَ کہا (تجھ پر موت
نازل ہو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَعَلَيْكَ (یہ تجھ پر) اس پر نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَتَدْرُوْنَ مَا يَقُوْلُ؟ قَالُوْا لَا۔

"کیا سمجھے آپ کہ اس یہودی نے کیا کہا تھا؟ اس پر صحابہ کرام نے
عرض کی نہیں (یا رسول اللہ)"۔

آپ نے فرمایا کہ اس نے اَلسَّامُ عَلَيْكَ کہا تھا۔ اس پر صحابہ کرام نے عرض کیا
یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) اَلَا نَقْتُلُهُ، "حضور ہم اسے قتل نہ کر دیں؟
آپ نے فرمایا "نہیں!"۔ پھر ارشاد فرمایا کہ جب کبھی غیر مسلم اہلِ کتاب تم کو سلام کہیں
تو تم صرف وَعَلَيْكُمْ کہہ دیا کرو۔ یعنی سلام کا جواب پورا دینے کی بجائے فقط یہ کہا کرو
کہ "تم پر"۔

ایسے ہی ایک یہودی وفد آپ کے پاس آیا اور انہوں نے اَلسَّامُ علیک کہا

اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے جواباً فرمایا:

وَعَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ۔

"اور تم پر موت اور لعنت نازل ہو"

اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْاَمْرِ كُلِّهِ۔

"بے شک اللہ تعالےٰ ہر معاملہ میں نرمی کو پسند فرماتا ہے"۔

حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ نے
نہیں سنا کہ انہوں نے کیا کہا؟ آپ نے فرمایا اسی لئے میں نے ان کا کلام انہی پر
واپس لوٹا دیا۔ (رواہ البخاری)

ایسے ہی ذوالخویصرہ کا واقعہ پیش آیا تھا جس نے اِعْدِلْ کہا تھا
(انصاف سے مالِ غنیمت تقسیم کریں) اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ "اگر میں عدل
نہیں کرتا تو میرے بعد کون ہے جو عدل کرے گا" اس پر بھی صحابہ کرام نے اس کو
قتل کرنے کی اجازت چاہی مگر آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو کہ اس کی نسل میں سے
ایسے ایسے لوگ پیدا ہوں گے (الحدیث)

واقعات شاہد ہیں کہ کئی منافقین اور یہود کی گستاخیاں نظر انداز کی گئی تھیں
تو اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: اس سوال کے کئی جواب ہیں:

اوّل: یہ کہ منافقین یا یہود کو نرمی سے جواب دے دینا یا درگزر کر جانا وقت
کی مصلحت کی خاطر ہوتا تھا مثلاً منافقین کی گستاخی پر قتل کر دینے کی اجازت دینے یا
بہت بڑے فتنے میں مبتلا ہو جانے کا غالب ظن ہوتا تو اس کے مقابلے میں درگزر
اور عفو کو اختیار کرنا زیادہ مصلحت و حکمت پر مبنی ہوتا تو آپ قتل کرنے کی اجازت

نہ فرماتے اس لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا نرمی اختیار کریں اور السّام
کا جواب السّام کو لوٹانا ہی کافی ہے۔

ایسے ہی آپ شروع اسلام میں کفار اور منافقین کی بہت سی اذیّتوں کو سنتے اور
اس پر صبر فرماتے ایک تو اس لئے کہ اللہ تعالےٰ کے حکمتوں والے حکم پر عمل ہو اور وہ
ایت یہ ہے:

وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ۔

"آپ کافروں اور منافقوں کا پیچھا نہ کریں اور ان کی اذیّتوں کو نظر انداز فرمائیں"
ظاہر آیت پر عمل ضروری تھا جس کی وجہ سے آپ درگزر فرماتے تھے اور
یہ حالت اسلام کے ابتدائی حالات سے تھی اور ایسے وقتوں میں اذیت کی باتوں پر
صبر کرنا زیادہ آسان اور بہتر تھا بہ نسبت حدود کے نفاذ کے کہ ایسے حالات میں
نفاذِ حدود مشکل بھی تھا اور کئی فتنوں اور آزمائشوں میں پڑنے کا خطرہ بھی تھا جس سے
اسلام کو نشر کرنے میں زیادہ رکاوٹوں کا پیش آنا بھی ممکن تھا لیکن جب مکّہ
فتح کیا گیا اور لوگ جماعتوں اور فوجوں کے طور سے دینِ اسلام میں داخل ہونے لگے
تو پھر اللہ تعالےٰ نے سورہ برأت نازل فرما کر ارشاد فرمایا:۔

جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

"آپ کفار اور منافقوں کے خلاف جہاد کریں اور ان پر سختی فرمائیں۔"
ساتھ ہی یہ حکم فرمایا:۔

اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا۔

"جہاں کہیں پائے جائیں، پکڑے جائیں اور خوب چن چن کر
قتل کئے جائیں۔"
یہ حکم اسلام کے غلبہ کے بعد دیا گیا جو قیامت تک ناسخ ہو کر قائم رہے گا"

یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد کسی چھپے منافق کو یہ ہمت نہ ہو سکی کہ وہ کسی طرح کی اذیّت کا
اظہار کرتا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ منافقین غلبۂ اسلام کے بعد اشارہ و کنایہ سے توہین کی باتیں
کرتے تھے مگر ظاہری توہین و تنقیص کی ہمت ان کو نہیں ہوتی تھی اس لئے ان کو
نظر انداز کیا جاتا تھا ورنہ انہیں ضرور سزا دی جاتی۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام کا یہی عقیدہ تھا کہ گستاخ رسول کو قتل کیا جائے اسی لئے
قتل کرنے کے لئے اجازت چاہتے تھے جیسے انہوں نے عرض کی اَلَا نَقْتُلُهٗ،
کیا ہم اس کو قتل نہ کریں جیسے اجازت لے کر صحابہ کرام نے گستاخانِ رسالت کعب
بن اشرف، ابو رافع یہودی اور ایک گستاخ عورت وغیرہ کو قتل کیا تھا۔ اگر ان
گستاخوں کو قتل کرنا منع ہوتا تو آپ صحابہ کرام کو قتل کی اجازت مانگنے سے
منع فرماتے اور اس قتل کو ناجائز قرار دیتے، آپ کا منع نہ کرنا استحقاقِ قتل کی
دلیل ثابت ہوئی۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ منافقین یہودی وغیرہ جن جن لوگوں نے آپ کو گالیاں دیں یا
کسی قسم کی اذیت پہنچائی تھی ان میں جن گستاخوں کو آپ نے معاف فرمایا یا ان سے
درگزر فرما کر صبر فرمایا۔ ایسا اس لئے کیا تھا کہ معاف فرمانا اور صبر کرنا آپ کا اپنا
حق تھا جس کو چاہیں معاف فرمائیں اور جسے چاہیں سزا دیں، آپ کا حیاتِ طیبہ
میں معاف کرنا اس میں آپ کو اختیار حاصل تھا لیکن آپ کے وصال مبارک
کے بعد امّت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ گستاخِ رسول کو معاف کریں اور
اس کو سزائے موت دینے سے انفرادی، اجتماعی، عدالتی اور پنچایتی طور پر
گریز کریں، اسی لئے فقہائے کرام نے مرتد کی سزائے قتل کو برقرار رکھا ہے
اور اس پر سب کا اتفاق ہے

غلبۂ اسلام کے بعد منافقین چھپے چھپے توہین وتنقیص کرتے تھے اور اذیّت میں خاص کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ بنایا کرتے تھے اور اگر کسی طرح بات اہانت کی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتی تو اس وقت کئی قسم کے لوگ بہانے بنا کر جھوٹی قسمیں کھا کر معافی دربارِ رسالت سے حاصل کر جاتے اور آپ کو معاف کرنے کا حق بھی حاصل تھا تو آپ معافی دے دیتے۔

آپ کا معاف فرمانا اس غرض کے لئے بھی ہوتا تھا تاکہ مخالفوں کے قلوب کی تالیف کی حکمت حاصل ہو، یہی وجہ ہے کہ کئی گستاخ اس لئے اسلام قبول کر لیتے تھے کہ انہوں نے آپ کی بے مثال شفقت وکرم نوازی کو دیکھ لیا تھا اور وہ آپ کی رسالت کو تسلیم کر لیتے تھے اور چونکہ منافقین اسلام کو ظاہر کرتے تھے اور دل میں نفاق رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مال تقسیم فرما رہے تھے تو اس وقت ایک منافق نے اعتراض کیا کہ آپ انصاف سے تقسیم کریں۔ حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: دَعْنِي يَا رَسُوْلَ اللهِ فَاَقْتُلُ هٰذَا الْمُنَافِقَ.

"مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں اس منافق کو قتل کر دوں"

آپ نے ان کے جواب میں فرمایا:

مَعَاذَ اللهِ اَنْ يَتَحَدَّثَ النَّاسُ اَنِّيْ اَقْتُلُ اَصْحَابِيْ

"اللہ کی پناہ! اس بات سے کہ لوگ یہ باتیں کریں کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہوں"

اس سے واضح ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنے گستاخ کو معاف فرمائیں نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ منافق مستحقِ قتل تھا اسی لئے صحابہ کرام اس کے قتل کرنے کے لئے اجازت مانگتے رہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کا معاف کرنا مصلحت پر

مبنی تھا تاکہ پروپیگنڈہ سے بھی بچ جائیں اور دوسری مصلحتیں بھی حاصل ہوں۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرنے والے ہمیشہ بدباطن اور فتنہ پھیلانے والے ہوتے ہیں۔

مزید یہ بھی واضح ہوا کہ گستاخ لوگ تنقیصِ شانِ رسالت کریں گے لیکن اہلِ ایمان، محبّانِ رسول ہر قسم کی جوابی کاروائی ہمیشہ کے لئے کرتے رہیں گے خواہ یورپ و امریکہ ہو یا کوئی دوسری دنیا ہو، اہلِ ایمان رفعتِ شانِ مصطفٰے کے چرچے اور تعظیمِ رسالت کا فریضہ ادا کرتے رہیں گے اور دشمنانِ رسول کو قرار واقعی سزا دیتے رہیں گے، یہی مدارِ نجات اور قربِ الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

سوال: بعض اسلامی حکومتوں میں ہمارے رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی واہانت کرنے والے کی سزا دو قسم کی رکھی گئی ہے بعض صورتوں میں گستاخی کی سزا قتل مقرر کی گئی ہے اور بعض صورتوں میں گستاخی کی سزا عمر قید تجویز کی گئی ہے، کیا اس گستاخی کی سزا دو طرح کی ہو سکتی ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب تفصیلاً تب دیا جاسکتا ہے جب اسلامی حکومتوں کے قانونِ اہانت کے تحت جاری کردہ سزا کی تفصیل وارشقیں اور صورتیں ہمارے سامنے ہوتیں لیکن اس قسم کی تفصیل میسّر نہیں ہوئی تاہم ہماری اس سلسلہ میں تحقیق آپ کے سامنے حاضر ہے جو گذشتہ صفحات میں مذکور ہے۔

اجمالاً جواب یہ ہے کہ:

قرآن وسنت کی نصوص میں گستاخی کی سزا بطور حد قتل ہی وارد ہے۔ امّتِ مسلمہ کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ پاک میں گستاخی کرنے والے کی کوئی دوسری سزا تجویز کریں کیونکہ قتل کرنا بطور حد وارد ہے اور احادیثِ مبارکہ میں اس کی کئی مثالیں بیان ہو چکی ہیں جو سزائے قتل واقع ہوئی ہیں

پچھلے سال حکومت نے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل دائر کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وزیرِ اعظم نے قانون و انصاف کی وزارت کو اپنی ایک ہدایت میں کہا تھا کہ جہاں تک میرا اور میری حکومت کا تعلق ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی توہین کے مرتکب بدبخت شخص کے لئے دنیا کی کوئی بھی سزا کافی نہیں ہو سکتی اور بڑی سے بڑی سزا بھی اس سلسلے میں کم ہے ان کی ہدایت پر وفاقی حکومت نے اپیل واپس لینے کی اجازت کے لئے ایک پٹیشن دائر کی۔ جناب جسٹس شفیع الرحمٰن نے اس پٹیشن کی منظوری دیدی۔

یاد رہے کہ تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ (ج) کے تحت اس جرم کے مرتکب بدبخت کے لئے سزائے موت یا عمر قید کے الفاظ لکھے گئے تھے، ایک درخواست پر وفاقی شریعت عدالت نے اس پر فیصلہ دیا تھا کہ اس میں سے متبادل سزا عمر قید حذف کر دی جائے کیونکہ اس کی سزا موت سے کم نہیں ہو سکتی، بعد ازاں وفاقی حکومت نے اس فیصلے کے خلاف اپیل کرنے کا فیصلہ کیا اور اپیل دائر کر دی جو اَب وزیرِ اعظم نواز شریف کی ہدایت پر واپس لے لی گئی۔"

ناظرین! ہم نے جنگ اخبار کی اس تفصیل کو نقل کر دیا ہے تاکہ مزید وضاحت بھی قارئین حضرات کو معلوم ہو جائے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت کے مندرجہ بالا فیصلے اور حکومت کی طرف سے عمر قید کی سزا کو بحال رکھنے کی عرضداشت واپس لینے پر ہم سب سے بڑے اجماعی فیصلے کی سب سے بڑی مبارکباد پیش کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ تجویز بھی پیش کرتے ہیں کہ آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے والوں کے خلاف جب کوئی مقدمہ اسی جمہوریہ پاکستان کی شرعی عدالت میں دائر ہو جائے اور اس کے تمام شرعی تقاضوں کو بروئے کار لائے جانے کے بعد جب جج (قاضی) صاحبان گستاخانہ کلمات یا اہانت پر مبنی

اگر کوئی مسلم حکومت یا عدالت سزائے قتل میں تخفیف کر کے عمر قید وغیرہ کا حکم جاری کریں تو شریعتِ اسلامیہ میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں ہے، یہ صرف غیر مسلم حکومتوں کا قانون ہی ہو سکتا ہے ------------- کسی اسلامی ملک کو اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ حدودِ شرعیہ میں ترمیم و اضافہ اور کمی و بیشی اپنی طرف سے جاری کریں۔ اسلام کی حدودِ شرعیہ قطعی و یقینی، غیر متبدل، ناقابلِ تغیر ہیں لہٰذا اہانتِ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سزا صرف اور صرف قتل ہی ہے، اس سے کم سزا اسلام میں موجود نہیں ہے اور اسی پر اجماعِ امت بھی منعقد ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

اس کی تائید اسلامی جمہوریہ پاکستان کی سپریم کورٹ، وفاقی شرعی عدالت کے قانونِ اہانت سے متعلق تعزیرات کی دفعہ ۲۹۵ (ج) سے بھی ہوتی ہے جس میں (گستاخِ رسول کی سزا موت سے کم نہیں ہے) مذکور ہے جس کی تصدیق روزنامہ جنگ لندن ۲۱ مئی ۱۹۹۱ء، ۷ ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ صفحہ اول پر ملاحظہ کریں جو حسبِ ذیل عبارت میں موجود ہے :-

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی سزا موت سے کم نہیں ہو سکتی)

سپریم کورٹ نے وفاقِ پاکستان کو اپنی عرضداشت واپس لینے کی اجازت دیدی۔

کراچی (جنگ رپورٹر) سپریم کورٹ نے اتوار کو وفاقِ پاکستان کو اجازت دے دی کہ وہ وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلے کے خلاف اپنی عرضداشت واپس لے لے جس میں کہا گیا تھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے کی سزا صرف موت ہے، حکومت نے عرضداشت واپس لینے کا فیصلہ وزیرِ اعظم نواز شریف کی طرف سے ناگواری کے اظہار کے بعد کیا، جب انہیں اخباری اطلاعات کے ذریعے معلوم ہوا کہ

کام کا تعین کریں تو وہاں صرف اپنے فہم و ادراک کو آخری معیارِ حق نہ سمجھیں بلکہ اس نازک ترین سزائے قتل کے نفاذ کے لئے گستاخانہ کلمات کو عرفِ عام میں گستاخی کے قبیل سے تعین کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہوگی۔ اس مرحلہ پر علماءِ اہلِ تحقیق" وفقہاءِ کرام سے ضرور مشورہ کیا جائے تاکہ حد کے نفاذ میں اور سببِ حد کے تعین میں غلط فہمی واقع نہ ہو جس کے نتیجہ میں سببِ حد کو سبب نہ سمجھنا اور حد کو جاری کرنے کی بجائے عدمِ اجراءِ حد کا فیصلہ کرنا واقع نہ ہو جائے۔

سزائے موت کی حد اگر بھاری ہے، ایسے ہی اس کے اسبابِ گستاخانہ کلمات کفریہ کی معرفت بھی سنگین مرحلہ ہوتا ہے، حق و باطل کی آمیزش سے اللہ تعالیٰ جج صاحبان کو بچائے، اللہ تعالیٰ حق و باطل کے درمیان امتیازِ تام اور حق کی حمایت سب لوگوں کو نصیب کرے، آمین۔

اَلْاِخْتِتَامُ بِتَوْفِیْقِ اللّٰہِ الْعَلَّامِ

مفتی محمد گل رحمٰن

(برمنگھم)

۲۵-۵-۹۱

احسان الٰہی ظہیر کی کتاب البریلویۃ

کا

تحقیقی اور تنقیدی جائزہ

تالیف : محمد عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی

تقدیم: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج ، سکھر

قیمت ۲/۰

رضا دار الاشاعت لاہور